جاری کردہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

نومبر ۱۹۹۵

مدیر: خرم مراد

ادارۂ ترجمان القرآن



اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے حسین دامن میں
ایک نیا دلپذیر شہر

منظرِ کوہسار

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں، سیوریج بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان، مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل۔ ترقیاتی کام جاری ہیں۔

قیمت 27 ہزار روپے فی مرلہ مگر 30 نومبر سے پہلے بکنگ کرانے پر 2 ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت 3 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔ باقی رقم تین سال کی قسطوں میں

پمفلٹ مفت منگوائیں

فیروز پور روڈ پر چونگی امرسدھو سے 2 کلومیٹر
ایل ڈی اے سے منظور شدہ

شاداب کالونی

پختہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری، سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت موجود۔ سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر۔

ترقیاتی کام جاری ہیں۔ کنال 500 مربع گز

قیمت 27 ہزار روپے فی مرلہ مگر 30 نومبر 1995 سے پہلے بکنگ کرنے پر 2 ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت 3 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔

باقی رقم تین سال کی قسطوں میں

پمفلٹ مفت منگوائیں

تحریکِ اسلامی سے وابستہ
افراد کا با اعتماد ادارہ

آب پارہ ملتان روڈ لاہور	گلشنِ احباب فیز I ملتان روڈ لاہور	گلشنِ احباب فیز II لنک فیروز پور روڈ لاہور	شاداب کالونی فیروز پور روڈ لاہور	منظرِ کوہسار اسلام آباد

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

بٹ ہاؤس 1 اے فیض روڈ اولڈ مسلم ٹاؤن لاہور فون 5869549-5865371 فیکس 5837016

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۱۲۱ — نومبر ۱۹۹۵ء جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ — عدد ۱۱

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰

فون ۵۴۱۳۳۱-۰۵

فیکس ۵۴۲۱۵۸۰

انتظامی امور

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون ۷۵۰۹۱۶-۷۵۸۵۵۰-۷۵۸۵۵۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۲ روپے

زر سالانہ ۱۲۰/- روپے

مشرق وسطیٰ ۵۵۰ روپے

بنگلہ دیش، امریکہ ۷۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

یورپ، مشرق بعید ۶۵۰/- روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

بینک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

٦٠ سال پہلے

یہ ہماری اپنی غلطی ہے کہ ہم نے اپنی عورتوں سے خلع کے حق کو عملاً سلب کر لیا، اور اصول شرع کے خلاف، عقدۂ نکاح کو کلیتہً مردوں کی خواہش پر منحصر ٹھہرا دیا۔ اس سے عورتوں کی جو حق تلفیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان کی ذمہ داری خدا اور رسول کے قانون پر قطعاً نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں پر ہے جنھوں نے اس قانون کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر اب بھی عورتوں کے اس حق کا استقرار ہو جائے تو وہ بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں گی، جو ہمارے ازدواجی معاملات میں پیدا ہو گئی ہیں، بلکہ گتھیوں کا پیدا ہونا ہی بند ہو جائے گا۔

عورت سے خلع کے حق کو جس چیز نے عملاً بالکل سلب کر لیا ہے وہ یہ غلط خیال ہے کہ شارع نے خلع کا معاملہ کلیتہً زن و شوہر کے درمیان رکھا ہوا ہے اور اس میں مداخلت کرنا قاضی کے حدود اختیار سے باہر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلع دینا یا نہ دینا بالکل مرد کی مرضی پر موقوف ہو گیا ہے۔ اگر عورت خلع حاصل کرنا چاہے اور مرد اپنی شرارت یا خود غرضی سے نہ دینا چاہے تو عورت کے لیے کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ لیکن یہ بات شارع کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ شارع کا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ معاملہ نکاح کے ایک فریق کو بالکل بے بس کر کے دوسرے فریق کے ہاتھ میں دے دے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بلند اخلاقی و تمدنی مقاصد فوت ہو جاتے جو اس نے مناکحت کے ساتھ وابستہ کیے ہیں---

شریعت نے معاملہ نکاح کے دونوں فریقوں کو ایک ایک قانونی آلہ ایسا دیا ہے جس سے وہ عقدۂ نکاح کے ناقابل برداشت ہو جانے کی صورت میں حل عقد کا کام لے سکتے ہیں۔ مرد کے قانونی آلہ کا نام طلاق ہے۔ جس کے استعمال میں اسے آزادانہ اختیار دیا گیا ہے اور اس کے بالمقابل عورت کے قانونی آلہ کا نام خلع ہے جس کے استعمال کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ جب یہ عقدۂ نکاح کو توڑنا چاہے تو پہلے مرد سے اس کا مطالبہ کرے، اور اگر مرد اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دے تو پھر قاضی سے مدد لے--- مگر قاضی کے اختیار سماعت کو درمیان سے خارج کر کے یہ توازن بگاڑ دیا گیا۔ کیونکہ اس طرح وہ قانونی آلہ جو عورت کو دیا گیا تھا، قطعاً بے کار ہو گیا، اور عملاً قانون کی صورت بگڑ کر یہ ہو گئی کہ اگر مرد کو ازدواجی تعلق میں حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو--- تو وہ اسے قطع کر سکتا ہے، لیکن اگر یہی خوف عورت کو ہو--- تو اس کے پاس اس تعلق کو قطع کرانے کا کوئی ذریعہ نہیں، تاوقتیکہ مرد ہی اس کو آزاد نہ کر دے۔ وہ مجبور ہے کہ بہرحال اس تعلق میں بندھی رہے--- کیا کسی میں اتنی جسارت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت پر اتنی کھلی ہوئی بے انصافی کا الزام عائد کر سکے؟

(سید ابوالاعلیٰ مودودی، جلد ۷، عدد ۲، نومبر ۱۹۳۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

مسائل کی جہنم: نجات کس طرح؟

خرم مراد

زندگی، انسان کے پاس سب سے بڑی نعمت ہے۔ دنیا کی ہر نعمت اور ہر مزہ زندگی کے دم تک ہے، آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل کرنے کا موقع بھی زندگی کے دم سے ہے۔ زندگی ہی کیونکہ اصل نعمت ہے، اس لیے زندگی بسر کرنا، اطمینان، خوشی اور لذت کا کام ہونا چاہیے۔ لیکن سوچیے تو آپ کا دل خود پکار اٹھے گا کہ آج ہر جگہ زندگی گزارنا ایک انتہائی اذیت اور مصیبت کا کام بن گیا ہے، اور زندگی شدید دکھ درد اور پریشانیوں کا بوجھ بن گئی ہے۔

یقیناً انسان کی زندگی کبھی بھی دکھ درد اور مصیبت سے خالی نہیں رہتی ہے۔ ایک دکھ درد کی مشقت تو وہ ہے جو اس کے خالق نے اس کی جان کے ساتھ لگا دی ہے۔ اس دکھ درد سے کوئی مفر نہیں، اس لیے کہ یہ انسان کے امتحان کے لیے ناگزیر ہے۔ اس بات کا امتحان کہ وہ دو راہوں میں کون سی راہ چلتا ہے: نیکی کی راہ یا بدی کی۔ لیکن ایک دکھ درد وہ ہے، اور جس سے بچنا اس کے بس میں ہے، جو انسان خود اپنی بدعملی، بے راہ روی اور طغیانی کے نتیجے میں مول لیتا ہے، خصوصاً اجتماعی زندگی کی بدعملی اور معاشرہ کی بے راہ روی کے نتیجے میں۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ انسانی زندگی کی خرابیوں کی ساری جڑیں اس کے اجتماعی نظام اور معاشرہ میں ہیں، یا اجتماع و معاشرہ اس کے دل و روح سے بالکل الگ کوئی چیز ہیں۔ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ انسان کے بناؤ اور بگاڑ کا اصل سرچشمہ اس کے اندر، اس کا مرکز شخصیت، اس کا دل ہے: الا وھی القلب، اچھی طرح جان لو، یہ دل ہے (حدیث)۔ مگر خالق نے اس کے وجود میں ظاہر و باطن کے دو بالکل الگ الگ یا باہم متصادم خانے نہیں بنائے ہیں، دونوں باہم تاثیر و تاثر کے عمل میں مربوط ہیں۔ دل کے روگ معاشرے کو بیمار بناتے ہیں، اور معاشرے کی بیماریاں دل کو، اور اس طرح انسان کی زندگی کا دکھ درد بڑھتا جاتا ہے۔

انسان ہمیشہ دکھی ضرور رہا ہے' لیکن آج کے زمانے میں ہم انسانوں کی زندگی جس وسیع پیمانے پر اور جتنے گوناگوں اور نت نئے آلام و امراض اور دکھ درد سے بھر گئی ہے اور بھرتی چلی جارہی ہے' اس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

اپنے ملک کی حالت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے' ہمیں اس کا مسلسل تجربہ ہو رہا ہے: عام آدمی کو پیٹ بھرنے کی فکر میں تگ و دو کرتے صبح سے شام ہو جاتی ہے' پھر ایک نیا دن شروع ہو جاتا ہے' پھر وہی تگ و دو ہوتی ہے' اس کے بعد بھی پیٹ نہیں بھرتا اور ضروریات زندگی پوری نہیں ہوتیں۔ روزگار نایاب ہے' ملتا بھی ہے تو سفارش کے بغیر نہیں۔ دن دونی رات چوگنی بڑھتی ہوئی ہوشربا قیمتوں کے ساتھ اوسط آمدنی والے اپنے روزمرہ کا خرچ پورا کرنے کا سوچ بھی نہیں کر سکتے۔ رہائش کے لیے صاف ستھرا مکان' تو وہ بس سے باہر ہے۔ علاج' تو اس کے کمرتوڑ اخراجات اور ہسپتالوں کے چکر بس سے باہر ہیں۔ اچھی تعلیم' وہ بس سے باہر ہے۔ جو بچے بڑے بھلے تعلیمی اداروں میں داخل ہو جاتے ہیں' ان میں سے صرف ۱۰ فی صد میٹرک کر پاتے ہیں' اور جن کے ہاتھ میں سند آبھی جاتی ہے' میٹرک کی ہو یا ایم اے کی' ان میں اکثر یہ کاغذ کا ٹکڑا لیے روزگار کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کا پیٹ خوب بھرتا ہے' مگر انھیں اسے اور بھرنے کی تگ و دو میں صبح سے شام ہو جاتی ہے' جنھیں زندگی کی ہر نعمت اور لطف فراوانی کے ساتھ میسر ہے' لیکن پھر بھی میسر نہیں تو اطمینان اور چین۔ اقبال کے یہ الفاظ کتنے صادق آتے ہیں:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا' جس نے
قبض کی روح تری' دے کے تجھے فکر معاش

دوسری طرف لوٹ کھسوٹ' رشوت اور بددیانتی کا بازار گرم ہے' یہاں تک کہ یہی ہمارے ملک کا کلچر بن گیا ہے' اور اس کلچر میں ہم اتنے ترقی یافتہ ہیں کہ ہمارا شمار دنیا بھر میں ہمارا تیسرے نمبر پر کیا جا رہا ہے۔ چند لوگ ہیں جن کے پاس طاقت اور اختیار ہے' جنھوں نے اپنے حق سے زیادہ زر اور زمین حاصل کر لی ہے' وہ اپنے جیسے انسانوں کی گردنوں پر سوار ہیں' ان کو کمزور بنا کر ان کے حقوق دبا رہے ہیں' اور ان کو زندگی کی معمولی خوشیوں سے بھی محروم کر دیا ہے۔ پولیس جسے امن و امان اور انصاف کا نشان ہونا چاہیے' ظلم اور بربریت کا نشان بن گئی ہے' اور اس کے ہاتھوں امن' عزت اور مال سب تباہ ہیں۔ عدالتوں میں جیبیں خالی کر کے بھی انصاف نہیں ملتا۔ ماحول روز بروز گندا ہوتا جا رہا ہے' یہاں تک کہ گھر کے اندر ہو یا باہر' دل و نگاہ کو پاک رکھنا محال ہے۔ سب جو ان خرابیوں کے ذمہ دار ہیں' وہ "تعلیم یافتہ" لوگ ہیں' "روشن خیال" ہیں' "تہذیب یافتہ" شمار ہوتے ہیں۔

یہ سب کیوں ہے؟ اس لیے کہ قوم کے سامنے کوئی سمت اور مقصد نہیں جس کے ساتھ وابستگی اور وفاداری ذاتی اور گروہی وابستگیوں پر غالب آئے۔ جس مقصد کو سامنے رکھ کر یہ ملک بنایا گیا تھا' اسے اس مقصد سے مختلف سمت میں لے جایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اخلاق اور نظم و ضبط کے بندھن ڈھیلے پڑتے جا رہے ہیں' اور ہوائے نفس کے علاوہ کوئی معبود نہیں رہ گیا ہے۔

امت مسلمہ کی کیفیت کچھ مختلف نہیں ہے: بہترین انسانی اور مادی وسائل کے خزانے ضائع جا رہے ہیں' یا ثمن قلیل کے عوض فروخت ہو رہے ہیں۔ حکمرانوں اور عوام کے درمیان' عام مسلمانوں کے درمیان' نزاع' تصادم اور خون ریزی نے حیات اجتماعی کو توڑ پھوڑ کر ناکارہ بنا دیا ہے۔ حکمران بالعموم بے حس اور قوم فروش ہیں' اور عوام غفلت' کم ہمتی' مایوسی اور بے عملی کا شکار۔ ہر پانچواں انسان مسلمان ضرور ہے' مگر مسلمان کا وزن دنیا میں خس و خاشاک سے زیادہ نہیں۔

اس لیے کہ مسلمان دنیا کی وہ منفرد قوم ہیں جس کا وجود ایک مشن اور مقصد پر منحصر ہے۔ یہ مشن اس کے نام میں عیاں ہے۔ لیکن امت نے اس مشن کو فراموش کر دیا ہے' اور اس باب میں اللہ نے اس سے جو عہد لیا تھا' اسے اس نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ نقض عہد کا لازمی نتیجہ ہے جو اس کو درپیش ہے۔

مغرب کی جن قوموں کی قوت و طاقت' مادی ترقی' ٹیکنالوجی کی برتری' اسباب زندگی کی فراوانی اور سیاسی برتری کی چمک دمک سے ہماری آنکھیں چکاچوند ہو رہی ہیں' ان کی حالت کئی پہلوؤں سے یقیناً ہم سے بہتر ضرور ہے' لیکن ان کے انسان اور ان کے معاشرے کے دکھ درد ہم سے کچھ کم نہیں۔ ان کے راہ نما اور دانش ور مسلسل بڑی شدت سے اس پر اپنے کرب و اضطراب کا اظہار کر رہے ہیں۔

معاشرہ کی خرابیاں سب کی نگاہ کے سامنے ہیں:

خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے' آدھی سے زیادہ شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں۔ عورت کو اپنے جسم اور زندگی پر ایک درجہ میں اختیار ضرور مل گیا ہے' لیکن اس سے اس کے انسانی شرف میں اضافہ نہیں ہوا۔ وہ مال فروخت اور ذریعہ تجارت بن گئی ہے۔ اس سے مفت لذت اندوزی کے دروازے چوپٹ کھل گئے ہیں' نتیجہ یہ ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ بچوں والے گھر باپ سے محروم ہیں۔ طلاق زدہ اور بے باپ کے گھروں سے اٹھنے والے بچے جرائم' مفلوک الحالی اور تعلیمی پستی میں روز بروز اضافے کا باعث ہیں۔

سود اور قرضوں کی بہتات نے معیشت کے غبارے میں ہوا بھر کے اسے بہت بڑا اور پرکشش ضرور بنا دیا ہے' مگر وہ کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔ مغرب میں مستحکم اور جمہوری سیاسی نظام اور پر امن

انتقال اقتدار ' تمدن انسانی کی بہت بڑی پیش رفت ہے' لیکن حکومتوں اور حکمرانوں سے مایوسی عام ہے۔ عام شہری یہ سمجھنے لگا ہے کہ اسے چہرے بدلنے کا اختیار تو ہے' پالیسی اور نظام کا رخ بدلنے کا نہیں۔

ایک طرف بہتر سے بہتر اسباب زندگی کے لیے انسان کے بڑھتے ہوئے مطالبات ' اور ان کو پورا کرنے کے لیے پیداوار میں مسلسل اور لامحدود اضافے کی طلب نے زمینی وسائل میں تشویش ناک کمی پیدا کر دی ہے اور ماحول پر کاری زخم لگائے ہیں: جنگلات ختم ہو رہے ہیں' زمین بنجر ہو رہی ہے' ماحول آلودہ ہو رہا ہے' کاربن ڈائی آکسائڈ بڑھ رہی ہے' موسم بدل رہا ہے' فضا میں اوزون گیس کی چھتری میں بڑے بڑے سوراخ ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف انسان خود اپنے ہاتھوں خودکشی کر سکتا ہے۔ ایٹمی اسلحے کے خنجر سے لیس ہو چکا ہے' جب چاہے بٹن دبا کر عالم گیر تباہی و بربادی مچا سکتا ہے' قوم اور قوم کے درمیان تعلق ' انسان اور انسان کے درمیان تعلق ' خود غرضی ' شک ' بے اعتمادی 'تعصب 'نفرت ' استحصال اور تشدد کے بے پناہ فساد کا شکار ہے۔ ٹی وی کی اسکرین کے ذریعے وہ بظاہر ساری دنیا سے باخبر رہتا ہے' لیکن گھر کے دروازے سے ملے ہوئے پڑوسی کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا' نہ اس سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ تعلقات بالعموم مشینی ہیں' غیرذاتی ہیں' دنیا کی خاطر ہیں۔ ایک کشتی میں سوار ہونے کا احساس مفقود ہے۔ بلکہ انسانوں کے درمیان نسل ' رنگ اور زبان کی بنیاد پر نفرت کی ایسی دیواریں کھڑی ہو گئی ہیں جن کو نہ عبور کیا جا سکتا ہے' نہ ڈھایا جا سکتا ہے۔ ان نفرتوں کی اور قومی مفادات کی بھینٹ اتنا انسانی خون چڑھایا گیا ہے کہ اس صدی کو بلاخوف تردید تاریخ کی سب سے خونیں صدی کہا جا سکتا ہے۔

لیکن دکھ درد کا شکار صرف حیات اجتماعی ہی نہیں' فرد بھی ہے۔ اس کا دل اور اس کی زندگی اطمینان اور چین سے محروم ہیں۔ اس کی انفرادیت ضائع ہو گئی ہے' وہ ایک ہجوم (mass) کا حصہ بن گیا ہے۔ اس کی تگ و دو کا واحد ہدف بھی زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر مادی سہولیات کا حصول بن کر رہ گیا ہے۔ پس ماندہ ممالک کے لوگوں کی طرح اس کی زندگی کا پہیہ بھی صبح سے شام تک معاش کے چکر میں گھومتا ہے۔ معلومات کا سیلاب ہے' لیکن وہ اتنے کردار اور حکمت سے بھی محروم ہے جو اس کے بے پڑھے لکھے آباؤ اجداد کے پاس تھا۔ وہ کاک اور کمپیوٹر سے خوب آشنا ہے' لیکن بنیادی انسانی علم و حکمت اور اقدار سے اس کی ناشناسائی اور اجنبیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

اس عالم گیر فساد اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دکھ درد کا سبب کیا ہے؟ یہ سبب انسان کے اپنے اعمال کے سوا اور کچھ نہیں۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم ۳۰: ۴۱)۔ کیونکہ سوچ اور عمل میں انسان کی بے راہ روی' طغیانی اور بدعملی اس حد تک بڑھ گئی ہے جس

حد تک وہ پہلے کبھی نہیں پہنچی' اس لیے اسی تناسب سے اس کے دل اور معاشرے کے روگ بھی بے حد و حساب بڑھ گئے ہیں۔

یہ طغیانی ازل سے ایک ہی رہی ہے' اور آج بھی وہی ہے: اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ شرک' اس سے استغنا اور اس سے خود مختاری' آخرت سے بے پروائی اور انبیا علیہم السلام کی ہدایت سے بے نیازی۔ یہ تینوں الگ الگ چیزیں نہیں' ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کا تعلق رکھتی ہیں' ایک ہی خرابی کے تین پہلو ہیں:

> یہ ہیں عاد' اپنے رب کی آیات سے انھوں نے انکار کیا' اس کے رسولوں کی بات نہ مانی' اور ہر جبار دشمن حق کی پیروی کرتے رہے۔ آخر کار اس دنیا میں بھی ان پر پھٹکار پڑی اور قیامت کے روز بھی (ہود ۱۱: ۵۹-۶۰)۔

> ہرگز نہیں' انسان طغیانی کرتا ہے' اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو اپنے خالق اور رب سے بے نیاز سمجھتا ہے' (حالانکہ) پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے [جس کی وہ پروا نہیں کرتا] (العلق ۹۶: ۶-۸)۔

شرک کا مرض پہلے بھی رہا ہے' گھڑے ہوئے خداؤں کی پرستش بھی رہی ہے' خدا کی نافرمانی بھی ہوتی رہی ہے' لیکن بالعموم انسان نے خود کو خدا اور دوسرے معبودوں کا محتاج سمجھا ہے' دل اور زندگی کا خانہ خدا کی طرف دھیان سے بالکل خالی نہیں کیا ہے۔ لیکن انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ یہ طغیانی اس مقام پر پہنچی ہے کہ — اگرچہ انسان نے نہ خدا کا انکار کیا' نہ بہت سے خدا بنائے — اس نے اپنی مکمل خود مختاری کا اعلان کیا' کسی بھی ماورائے انسانی سرچشمہ سے ہدایت کی ضرورت اور موت کے بعد جواب دہی سے مکمل انکار کیا۔ پھر صرف اعلان ہی نہیں کیا' بلکہ پوری تہذیب میں اس خود مختاری اور انکار کی روح بھر دی' اور ایک پورا دور تہذیب انھی بنیادوں پر قائم کیا' جس کی پیشانی پر صاف صاف لکھا ہوا ہے: "ہم بالغ ہوگئے ہیں' اب ہمیں کائنات کی کسی چیز کی توجیہ کے لیے' یا زندگی بسر کرنے کے لیے کسی راہ نمائی کے لیے' کسی خدا کی ضرورت نہیں۔ اب انسان خود ہی اپنا مطلوب ہے' اور خود ہی اپنا معیار ہے"۔

بظاہر تو خدا کو پرائیویٹ زندگی میں باقی رکھنے کی آزادی دی گئی ہے' مگر جب اس کی بندگی کو پبلک زندگی سے خارج کر دیا جائے' تو دل اور گھر میں بھی اس کی جگہ سکڑتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح اس کا دل خدا سے بالکل خالی ہوگیا۔ خدا کے خانے میں خلا ناممکن ہے' چنانچہ اس خالی جگہ میں دیوؤں اور عفریتوں نے خدائی کا منصب سنبھال لیا۔ رب الناس کا منصب ٹیکنالوجی (اور سائنس) نے سنبھالا' ملک الناس کا مقام عوام کے حصہ میں آیا' اور الہ الناس کی مسند پر خواہش و ہویٰ اور قوم و وطن فائز

ہوئے۔ اس طرح ایک نئی تثلیث مکمل ہوگئی، اور انسانیت کا سفر تیزی سے فساد کی طرف شروع ہوگیا: ''اس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا، وہ اپنی خواہش پوری کرنے کے پیچھے لگ گیا، اور اس کا ہر کام افراط و تفریط پر مبنی ہوگیا (الکہف ۱۸: ۲۸)

خدا کے بجائے جب خواہش نفس الٰہ بنی، تو اس کی ہر مرضی کا پورا کرنا ضروری ٹھیرا۔ ہر خواہش پوری کرنے کے لیے جو کچھ کرنا اور بنانا ممکن ہو اس کو روبہ عمل لانا عین مطلوب ہوا، اس سے قطع نظر کہ اس کے اخلاقی، معاشرتی یا ماحولیاتی نتائج کیا ہوں گے۔ دنیوی زندگی کی ہر سہولت اور ہر لطف حاصل کرنا، زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا، اور خوب سے خوب تر صورت میں حاصل کرنا، یہ جائز نہیں مستحسن ہوا۔ اس انداز میں خواہشات پوری کرنے کے لیے پیداوار میں مسلسل اضافہ کرنا، پیداوار کو بیچنے کے لیے ایڈورٹائزنگ کے ذریعے خواہشات کو مزید بھڑکانا، خواہشات کے بھڑکنے کے نتیجے میں مزید مطالبات، مزید صرف و استعمال، یہ ایک نہ ختم ہونے والا چکر گلے کا ہار بن گیا۔

تکاثر کی مہلک بیماری نے زور پکڑا، جو ہلاکت کے گڑھے تک پہنچا کر ہی دم لیتی ہے، اور جس کی آگ کو علم یقین کے ذریعہ آج بھی دلوں اور چہروں میں بھڑکتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی لیے دنیا کی تمام آسائشیں دستیاب ہونے کے باوجود، دل بے اطمینانی سے سلگ رہے ہیں، اور عداوت و خون ریزی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ جب تازہ خداؤں میں سب سے بڑا خدا، وطن بھی الٰہ بن گیا، تو پھر قومی مفادات کی خاطر عداوت و جنگ کی وہ آگ بھڑکی کہ دنیا مسلسل اس میں جل رہی ہے۔ اسلام نے تو انسانوں کو، ان کے گھروں اور وسائل معاش کو آگ سے جلانا بالکل منع کیا تھا۔ لیکن آج بموں کے ذریعہ انسان ہوں یا شہر، کھیت، کارخانے، سب کو جلانے کا نام ہی جنگ ہے۔

عوامی حاکمیت کے نام پر ملک الناس کا خدائی منصب سپرد تو عوام کے ہوا، مگر وہ بادشاہت کیسے کرتے۔ چنانچہ ان کی بادشاہت ۵ سال میں ایک مرتبہ بیلٹ پیپر استعمال کر کے اپنے نمایندے منتخب کرنے تک محدود ہوگئی، اور اصل بادشاہ یہ نمایندے بن بیٹھے۔ پجاری اور ملا تو مفت میں بدنام ہیں کہ خدا کے نام پر خدا بن جاتے ہیں، یہ نمایندگان جس طرح خود اپنے بادشاہوں کے بادشاہ بن بیٹھے ہیں، اس کی جھلک ریاست اور پارلیمان کی مطلق العنانی اور جبروت میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ریاست کا حکم صرف پبلک پالیسی اور حکومت تک محدود نہ رہا، بلکہ میاں بیوی کے جنسی تعلق، گھریلو زندگی، بچوں کی پیدائش اور پرورش، بیماری اور علاج اور تعلیم جیسے ذاتی دائروں تک پر محیط ہوگیا۔

خواہشات پوری کرنے اور ہر قسم کی حاجت روائی کے لیے انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنا مرجع اور ملجا و ماویٰ بنایا۔ کیونکہ خواہشات لامحدود ہیں، اس لیے لامحدود قدرت کی حامل ٹیکنالوجی منتہا و مقصود بنی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قدرت کے رازوں اور قدرت کے وسائل پر غلبے کی لامحدود پیاس پیدا ہوئی۔ کیونکہ ہر خواہش جائز ٹھیری، اس لیے، اس کی تکمیل کے لیے ٹیکنالوجی بنانے

میں صحیح اور غلط اور نیک و بد کی تمیز اٹھ گئی۔ علم کا بندھن تو رب کے نام سے ٹوٹا ہی تھا' اب سائنس اور ٹیکنالوجی بھی اخلاق اور خیر سے رسہ تڑا کر بے لگام ہو گئے۔ ایٹم بم ہو' تباہ کن جنگی ہتھیار ہوں' ماحولیات پر مہلک اثرات کی حامل ایجادات ہوں' یا نفس اور معاشرہ کے لیے تباہ کن ہوں یہ سب اسی بے مہار ٹیکنالوجی کا ثمر ہیں۔ ٹیکنالوجی تو خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے' لیکن جب علم کا رشتہ خدا کے نام سے کٹ گیا تو یہ سب کچھ ہونا ہی تھا۔

ٹیکنالوجی ایک خود رو' خود کار' خود افزوں' خود مختار مشین کی صورت میں نمودار ہوئی۔ جب یہ رب بن گئی' تو انسان خود اپنی پیدا کی ہوئی ٹیکنالوجی کا بندہ اور غلام بن گیا' اور وہ اس کی اطاعت کے شکنجے میں اس طرح کسا گیا کہ دم مارنے کی گنجایش نہ رہی۔ آزادی کے نام پر' ایک رحمن و رحیم' سمیع و بصیر' علیم و حکیم رب کی بندگی چھوڑنے کے نتیجے میں وہ ایک بے رحم' بے جان اور اندھی بہری مشین کا پرزہ بن گیا۔ اس کو اس قسم کے اختیار تو ہیں کہ کس ماڈل کی کار خریدے' کس چینل پر ٹی وی دیکھے' کس ڈاکٹر سے علاج کرائے' لیکن اس کو غالب ٹیکنالوجی سے انحراف کا کوئی اختیار نہیں۔

چنانچہ آزادیِ فرد کے تمام دعووں کے باوجود' قدرتی وسائل پر عدیم المثال قابو سے لیس ٹیکنالوجی نے' اور اس کے بل پر ریاست' معیشت اور میڈیا نے' ایک فرد انسانی کو اتنا مجبور و بے اختیار بنا دیا ہے' اور اس کی پوری زندگی کو' انتہائی پرائیویٹ زندگی تک تو' اپنے شکنجوں میں اس طرح کس لیا ہے' کہ وہ ان کی مرضی کا تابع ہو' تب ہی جنتِ ارضی میں درجات پاتا ہے' اس سے انحراف کرے تو اس کی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ انسان نے بدی کے سامنے مکمل خود سپردگی اختیار کر لی ہے' بلکہ بدی اس کے نزدیک بھلائی اور پسندیدہ بن گئی ہے' اور وہ اس کے خلاف جنبش کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

ٹیکنالوجی کے بل پر انسان نے قدرت کی قوتوں کو اس طرح مسخر کر لیا ہے کہ اب وہ اپنی ہر خواہش کے پوری ہونے کو ممکن سمجھنے لگا ہے' آج نہیں تو کل۔ یہ قلب و معاشرہ کے امراض کا بہت بڑا سبب ہے۔ پھر خصوصاً رسل و رسائل اور ابلاغ کے جدید ذرائع نے فاصلوں کو اس طرح سمیٹ دیا ہے کہ اب ان کے سہارے' بدی چشم زدن میں مشرق و مغرب میں سنی اور دیکھی جاسکتی ہے' اور برسوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کر کے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ اب ہر فساد عالم گیر ہے' اور برق رفتاری سے عالم گیر بنتا ہے۔

دکھ درد کی اس جہنم سے' جس میں آج ہم انسان جل رہے ہیں' نکلنا اور بچنا بالکل ممکن ہے' اور یہ باذن اللہ تمام تر ہمارے ارادے اور اختیار میں ہے۔ راستہ ایک ہی ہے' آسان اور صاف: ہم صرف اپنے پیدا کرنے والے کو اپنا الٰہ و معبود' اپنا رب' اور اپنا حاکم و بادشاہ بنائیں' زندگی کے ہر معاملہ

میں اس راہ پر چلیں جس پر اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم چلے تھے' اور زندگی بھر موت کے بعد اس سے ملاقات کی تیاری میں اور اس کی آگ سے بچ کر اس کی جنت میں داخل ہونے کی طلب و جستجو میں لگے رہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنے علم اور عمل کا رشتہ اپنے خالق کے نام کے ساتھ جوڑیں' اور پورے کے پورے صرف اس کے بن جائیں جس نے زندگی بخشی ہے۔ اس لیے کہ ہم ایک خالق کی غلامی چھوڑیں گے تو بے شمار خدا ہماری گردنوں پر مسلط ہو جائیں گے' اس سے ملاقات کو بھول کر آخرت کی فکر نہیں کریں گے تو دنیا کی ہزار فکریں ہمیں گھیر لیں گی' اس کے رسول ؐ کی راہ پر نہ چلیں گے تو ہلاکت کے ان گنت راستوں پر جا نکلیں گے۔

یہی وہ پیغام اور نسخۂ شفا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ اسے انسانوں تک پہنچانا' اور اسے عملی جامہ پہنانا' آپ ؐ کے اوپر' تمام انبیا کی طرح' فرض تھا۔ خاتم النبیین ؐ کے بعد اس فرض کی ادائگی ہی امت محمدیہ کا مقصد وجود ہے' اور اس ادائگی ہی پر امت کے اور انسانیت کے انجام کا انحصار ہے۔ اسی فرض کی ادائگی کے لیے جماعت اسلامی بنی تھی' یہی اس کا مقصد ہے' اور اسی کے لیے وہ روز اول سے کوشاں ہے۔ اس مقصد اور پیغام سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ جماعت اسلامی انسانوں کی جماعت ہے' اس میں خامیاں بھی ہوں گی' اور اس سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی۔ اس کے اجتہادی اور سیاسی فیصلوں اور پالیسیوں سے لوگوں کو اختلاف بھی ہو سکتا ہے' اور ان کی نظر میں وہ غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جماعت اسلامی محض ایک سیاسی جماعت نہیں جس کی سرگرمیاں انتخابات تک محدود ہوں' نہ ایک مذہبی جماعت جس کا محور و مرکز اعتقادی و فقہی مسائل ہوں۔ ہماری ساری جدوجہد کا مقصد صرف ایک ہے: ہم اللہ کے مطیع و فرماں بردار بن جائیں' اور اس کی رضا اور قربت حاصل کر سکیں۔ یہ رضا اور قربت ایک ایسے انقلاب کے لیے جدوجہد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے جس کے نتیجے میں دلوں پر بھی اللہ کی حکومت قائم ہو جائے اور ساری زندگی پر بھی' پرائیویٹ ہو یا پبلک۔ اس جدوجہد کی ضرورت سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہوتا۔

جماعت اسلامی ہر مسلمان کو یہی صدا دیتی ہے کہ اگر آج پاکستان کی حالت زار و نزار ہے' مسلمان دنیا میں کمزور' ذلت و مسکنت میں مبتلا اور دشمنوں کے لیے تر نوالہ ہیں' اور ساری انسانیت دکھ درد کے جہنم میں جل رہی ہے' تو اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ مسلمانوں نے وہ مشن فراموش کر دیا ہے جو اللہ نے ان کے سپرد کیا تھا' اس فریضہ سے بے وفائی کر رہے ہیں جو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سپرد کیا تھا۔ اس لیے ہم سب کا فرض ہے کہ خدا کے دین کے لیے اپنا وقت' اپنا مال اور اپنی قوتیں لگائیں' اختلافات کے باوجود جن کے دل میں اس فرض کی ادائگی کے لیے جذبہ اور لگن میں وہ متحد اور جمع ہو جائیں' تاکہ سارا خیر جمع ہو کر ایک قوت بن جائے۔

ہمارے ملک اور ملت کی حالت اسی لیے بگڑتی چلی جا رہی ہے کہ بدی منظم ہے اور سرگرم ہے'

جبکہ نیک لوگ گھروں میں بیٹھے ہیں' اور زبانی جمع خرچ کافی سمجھے ہوئے ہیں۔ اب یہ حالت ختم ہو جانی چاہیے۔ اگر ہر شخص اٹھ کھڑا ہو' جو کچھ بن پڑے وہ کرنا شروع کر دے' اپنے وقت اور مال کا ایک معقول حصہ اللہ کے دین کے کام میں لگا دے' تو وہ دن دور نہیں جب ساری تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور روشن مستقبل کا سورج طلوع ہو گا۔

اس موقع پر چار باتیں ہم ان دوستوں کی خدمت میں بھی عرض کریں گے جو کسی نہ کسی حیثیت میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں:

۱۔ آپ کی قوت کا اصل خزانہ وہ اخلاص' وابستگی' لگن اور محبت ہے جو آپ کو اللہ' اس کے رسول ؐ' اور ان کے دین سے ہو۔ جب آپ زندگی میں اللہ اور اس کے کام کو اولین ترجیح دیں' سب سے بڑھ کر محبت آپ کو اللہ اور اس کے رسول ؐ اور اللہ کی راہ میں جہاد سے ہو' جو کام کریں صرف اس کی رضا اور جنت کے حصول کے لیے کریں' تب اللہ کی نصرت ضرور آپ کے ہم رکاب ہو گی۔

۲۔ اللہ کے دین کا کام کرنے کے لیے' دوسری چیز یہ ضروری ہے کہ آپ عام انسانوں کے لیے رحمت' احسان اور عدل کا نشان بن جائیں۔ کسی کو اپنے قول و فعل سے ایذا نہ پہنچائیں' جس کی جتنی خدمت آپ کے بس میں ہو' اس سے دریغ نہ کریں۔

۳۔ اللہ کا اور اس کی مخلوق کا آپ کے اوپر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ جو نسخہ شفا اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے اسے آپ ان تک پہنچائیں' اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ جس طرح بھوکے کو کھانا کھلانا اور بیمار کی دوا کرنا' آپ کا فرض ہے' جس کے لیے رب العالمین قیامت کے دن مدعی ہو گا' اسی طرح گم راہ کو ہدایت کی غذا پہنچانا' اور اخلاقی و روحانی مریض کو قرآن کی دوا پہنچانا بھی آپ کا فرض ہے۔ ہر مسلمان' ہر جگہ' اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر ہے۔ اگر۔ انی صد مسلمان بھی اس جذبہ اور شعور کے ساتھ سرگرم عمل ہو جائیں تو ایک انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

۴۔ مسلمان ہر طرح کے ہیں' کمزور بھی قوی بھی' نیک بھی اور گناہ گار بھی' لیکن جن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے' اور جو اللہ کے دین کے لیے اپنا حصہ ڈالنا چاہتے ہیں' ان سب کو محبت' نرمی اور شفقت کے ساتھ مجتمع کر لینے ہی سے دین کی سربلندی کی منزل سر ہو گی۔ اس مقصد کے لیے آپ ایک ایک بستی اور ایک ایک محلے میں ایسے لوگ تلاش کریں' ان کو منظم کریں' ان کا حلقہ بنائیں' اصلاح معاشرہ' تعلیم اور جہاد کے لیے ان کی کمیٹیاں بنائیں' ان کمیٹیوں میں لوگوں کو ذمہ دار بنائیں' اور ان کی خدمت اور مدد کریں تاکہ ایک ایک مقام پر خیر کی شمع روشن ہو' دیے سے دیا جلے اور اللہ کے نور سے یہ سرزمین جگمگا اٹھے۔

اے اللہ کے بندو!
اللہ کی بندگی اختیار کرو'
ایک راستہ اختیار کیا ہے' اس پر چلتے رہو!
شیطان نے ازل میں چیلنج دیا تھا
بہکانے کے لیے دائیں سے' بائیں سے' آگے سے' پیچھے سے' نیچے سے' اوپر سے آؤں گا
وہ برابر اپنے کام میں لگا ہوا ہے'
حوصلہ نہیں ہارتا' شکست تسلیم نہیں کرتا' مایوس نہیں ہوتا'
پھر تم کیوں حوصلہ ہارتے ہو' شکست تسلیم کرتے ہو' مایوس ہوتے ہو؟
اللہ دیکھنا چاہتا ہے' اور فخر کرنا چاہتا ہے کہ:
اس کے بندے شیطان کے بہکانے میں نہیں آئے'
اس کی بندگی کے راستے پر چلتے رہے
تاکہ جب وہ اس کے پاس آئیں تو وہ انھیں اپنی مسرتوں بھری' عیش و راحت کی جنتوں میں داخل کرے۔
تم دیکھتے کیوں نہیں؟
وہ پانی برساتا ہے اور زمین نعمتیں اگل دیتی ہے' ہرے بھرے وسیع میدان' لدے پھندے پھلوں کے درخت' باغ و بہار' فصلیں'
تم سمجھتے ہو کہ سب کچھ تمہاری دسترس میں ہے'
پھر یکایک خدا کا حکم آتا ہے اور سب کچھ ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔
اللہ کے بندو!
اللہ کی بندگی کرو' اس کو راضی کرو اور اس کی جنتوں میں داخل ہو جاؤ'
چند ساعتیں آزمائش کی اور پھر عیش ہی عیش!

[بندۂ خدا]

اجتماعی زندگی کے آداب

(سورۃ المجادلہ: آیات ۸ تا ۱۳)

سید ابوالاعلیٰ مودودی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْــــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کے حضور تمھیں حشر میں پیش ہونا ہے۔ کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے' اور وہ اس لیے کی جاتی ہے کہ ایمان لانے والے لوگ اس سے رنجیدہ ہوں' حالانکہ بے اذن خدا وہ انھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی' اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (المجادلہ ۵۸: ۹-۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ نجویٰ (آپس میں رازکی بات کرنا) بجائے خود ممنوع نہیں ہے' بلکہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا انحصار ان لوگوں کے کردار پر ہے جو ایسی بات کریں' اور ان حالات پر ہے جن میں ایسی بات کی جائے' اور ان باتوں کی نوعیت پر ہے جو اس طریقے سے کی جائیں۔ جن لوگوں کا اخلاص' جن کی راست بازی' جن کے کردار کی پاکیزگی معاشرے میں معلوم و معروف ہو' انھیں کسی جگہ سر جوڑے بیٹھے دیکھ کر کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ آپس میں کسی شرارت کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ بخلاف اس کے جو لوگ شر اور بدکرداری کے لیے معروف ہوں' ان کی سرگوشیاں ہر شخص کے دل میں یہ کھٹک پیدا کر دیتی ہیں کہ ضرور کسی نئے فتنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ اسی طرح اتفاقاً کبھی دو چار آدمی باہم کسی معاملہ پر سرگوشی کے انداز میں بات کر لیں تو یہ قابل اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگوں نے اپنا ایک جتھا بنا رکھا ہو اور ان کا مستقل وتیرہ یہی ہو کہ ہمیشہ جماعت مسلمین سے الگ ان کے

درمیان کھسر پھسر ہوتی رہتی ہو تو یہ لازماً خرابی کا پیش خیمہ ہے۔ اور کچھ نہیں تو اس کام سے کم نقصان یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں میں پارٹی بازی کی بیماری پھیلتی ہے۔ ان سب سے بڑھ کر جو چیز نجویٰ کے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ کرتی ہے، وہ ان باتوں کی نوعیت ہے جو نجویٰ میں کی جائیں۔ دو آدمی اگر اس لیے باہم سرگوشی کرتے ہیں کہ کسی جھگڑے کا تصفیہ کراتا ہے، یا کسی کا حق دلواتا ہے، یا کسی نیک کام میں حصہ لینا ہے، تو یہ کوئی برائی نہیں ہے بلکہ کار ثواب ہے۔ اس کے برعکس اگر یہی نجویٰ دو آدمیوں کے درمیان اس غرض کے لیے ہو کہ کوئی فساد ڈلواتا ہے، یا کسی کا حق مارنا ہے، یا کسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ غرض بجائے خود ایک برائی ہے اور اس کے لیے نجویٰ برائی پر برائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں آداب مجلس کی جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ اذا کنتم ثلاثة فلا یتناجی اثنان دون صاحبھما فان ذالک یحزنه 'جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں کھسر پھسر نہ کریں کیونکہ یہ تیسرے آدمی کے لیے باعث رنج ہو گا (بخاری، مسلم، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)۔ دوسری حدیث میں حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں: فلا یتناجی اثنان دون الثالث الا باذنه فان ذلک یحزنه دو آدمی باہم سرگوشی نہ کریں مگر تیسرے سے اجازت لے کر کیونکہ یہ اس کے لیے باعث رنج ہو گا (مسلم)۔ اسی ناجائز سرگوشی کی تعریف میں یہ بات بھی آتی ہے کہ دو آدمی تیسرے شخص کی موجودگی میں کسی ایسی زبان میں بات کرنے لگیں جسے وہ نہ سمجھتا ہو، اور اس سے بھی زیادہ ناجائز بات یہ ہے کہ وہ اپنی سرگوشی کے دوران میں کسی کی طرف اس طرح دیکھیں یا اشارے کریں جس سے یہ ظاہر ہو کہ ان کے درمیان موضوع بحث وہی ہے۔

اگر کسی مسلمان کو کچھ لوگوں کی سرگوشیاں دیکھ کر یہ شبہ بھی ہو جائے کہ وہ اسی کے خلاف کی جا رہی ہیں، تب بھی اسے اتنا رنجیدہ نہ ہونا چاہیے کہ محض شبہ ہی شبہ پر کوئی جوابی کارروائی کرنے کی فکر میں پڑ جائے، یا اپنے دل میں اس پر کوئی غم، یا کینہ، یا غیر معمولی پریشانی پرورش کرنے لگے۔ اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے اِذن کے بغیر کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ اعتماد اس کے قلب میں ایسی قوت پیدا کر دے گا کہ بہت سے فضول اندیشوں اور خیالی خطروں سے اس کو نجات مل جائے گی اور وہ اشرار کو ان کے حال پر چھوڑ کر پورے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے گا۔ اللہ پر توکل کرنے والا مومن نہ تھڑدلا ہوتا ہے کہ ہر اندیشہ و گمان اس کے سکون کو غارت کر دے، نہ کم ظرف ہوتا ہے کہ غلط کار لوگوں کے مقابلے میں آپے سے باہر ہو کر خود بھی خلافِ انصاف حرکتیں کرنے لگے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا

قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ O

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو' اللہ تمھیں کشادگی بخشے گا۔ اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے' اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا' اور جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ کو اس کی خبر ہے۔

[ان آیات میں مسلمانوں کو مجلسی تہذیب کے کچھ آداب سکھائے گئے ہیں اور بعض ایسے معاشرتی عیوب کو دور کرنے کے لیے ہدایات دی گئی ہیں جو پہلے بھی لوگوں میں پائے جاتے تھے اور آج بھی پائے جاتے ہیں۔ کسی مجلس میں اگر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور باہر سے کچھ لوگ آجائیں تو پہلے سے بیٹھے ہوئے اصحاب اتنی سی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ ذرا سمٹ کر بیٹھ جائیں اور دوسروں کے لیے گنجائش پیدا کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعد کے آنے والے کھڑے رہ جاتے ہیں' یا دہلیز میں بیٹھنے پر مجبور ہوتے ہیں' یا واپس چلے جاتے ہیں' یا یہ دیکھ کر مجلس میں ابھی کافی گنجائش موجود ہے' حاضرین کے اوپر سے پھاندتے ہوئے اندر گھستے ہیں۔ یہ صورت حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں اکثر پیش آتی رہتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ اپنی مجلسوں میں خود غرضی اور تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کیا کریں بلکہ بعد کے آنے والوں کو کھلے دل سے جگہ دے دیا کریں۔

اسی طرح ایک عیب لوگوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی کے ہاں (خصوصاً کسی اہم شخصیت کے ہاں) جاتے ہیں تو جم کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس بات کا کچھ خیال نہیں کرتے کہ ضرورت سے زیادہ اس کا وقت لینا اس کے لیے باعث زحمت ہو گا۔ اگر وہ کہے کہ حضرت اب تشریف لے جایئے تو برا مانتے ہیں۔ ان کو چھوڑ کر اٹھ جائے تو بد اخلاقی کی شکایت کرتے ہیں۔ اشارے کنایے سے ان کو بتائے کہ اب کچھ دوسرے ضروری کاموں کے لیے اس کو وقت ملنا چاہیے تو سنی ان سنی کر جاتے ہیں۔ لوگوں کے اس طرز عمل سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سابقہ پیش آتا تھا اور آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے شوق میں اللہ کے بندے اس بات کا لحاظ نہیں کرتے تھے کہ وہ بہت زیادہ قیمتی کاموں کا نقصان کر رہے ہیں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے یہ تکلیف دہ عادت چھڑانے کے لیے حکم دیا کہ جب مجلس برخاست کرنے کے لیے کہا جائے تو اٹھ جایا کرو۔ (دیباچہ سورہ)]

بعض مفسرین نے اس حکم کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس تک محدود سمجھا ہے۔ لیکن جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا ہے' صحیح بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تمام مجلسوں کے لیے یہ ایک عام ہدایت ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اہل اسلام کو جو آداب سکھائے ہیں' ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے

کہ جب کسی مجلس میں پہلے سے کچھ لوگ بیٹھے ہوں اور بعد میں مزید کچھ لوگ آئیں' تو یہ تہذیب پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں ہونی چاہیے کہ وہ خود نئے آنے والوں کو جگہ دیں اور حتی الامکان کچھ سکڑ اور سمٹ کر ان کے لیے کشادگی پیدا کریں' اور اتنی شائستگی بعد کے آنے والوں میں ہونی چاہیے کہ وہ زبردستی ان کے اندر نہ گھسیں اور کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کرے۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یقیم الرجل الرجل من مجلسہ فیجلس فیہ ولکن تفسحوا وتوسعوا "کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ تم لوگ خود دوسروں کے لیے جگہ کشادہ کرو (مسند احمد، بخاری، مسلم)۔ اور حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لایحل لرجل ان یفرق بین اثنین الا باذنہما کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس جائے (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی)۔

عبدالرحمن بن زیدؓ بن اسلم کا بیان ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دیر تک بیٹھے رہتے تھے اور ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ آخر وقت تک بیٹھے رہیں۔ اس سے بسا اوقات حضورؐ کو تکلیف ہوتی تھی' آپؐ کے آرام میں بھی خلل پڑتا تھا اور آپ کے کاموں کا بھی حرج ہوتا تھا۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ جب تم لوگوں سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ (ابن جریر و ابن کثیر)۔

تم یہ نہ سمجھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دوسروں کو جگہ دینے کی خاطر اگر تم آپ سے کچھ دور جا بیٹھے تو تمہارا درجہ گر گیا' یا اگر مجلس برخاست کر کے تمھیں اٹھ جانے کے لیے کہا گیا تو تمہاری کچھ ذلت ہوگئی۔ رفع درجات کا اصل ذریعہ ایمان اور علم ہے نہ یہ کہ کس کو مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھنے کا موقع ملا' اور کون زیادہ دیر تک آپ کے پاس بیٹھا۔ کوئی شخص اگر آپ کے قریب بیٹھ گیا ہو تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسے بڑا رتبہ مل گیا۔ بڑا رتبہ تو اسی کا رہے گا جس نے ایمان اور علم کی دولت زیادہ پائی ہے۔ اسی طرح کسی شخص نے اگر زیادہ دیر تک بیٹھ کر اللہ کے رسول کو تکلیف دی تو اس نے الٹا جہالت کا کام کیا۔ اس کے درجے میں محض یہ بات کوئی اضافہ نہ کر دے گی کہ اسے دیر تک آپ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا۔ اس سے بدرجہا زیادہ بلند مرتبہ اللہ کے ہاں اس کا ہے جس نے آپؐ کی صحبت سے ایمان اور علم کا سرمایہ حاصل کیا اور وہ اخلاق سیکھے جو ایک مومن میں ہونے چاہییں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

نَجْوٰكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب تم رسول سے تخلیہ میں بات کرو تو بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دو۔ یہ تمھارے لیے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ البتہ اگر تم صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ غفور و رحیم ہے۔ کیا تم ڈر گئے اس بات سے کہ تخلیہ میں گفتگو کرنے سے پہلے تمھیں صدقات دینے ہوں گے؟ اچھا' اگر تم ایسا نہ کرو اور اللہ نے تم کو اس سے معاف کر دیا تو نماز قائم کرتے رہو' زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو' اللہ اس سے باخبر ہے۔

[ایک اور عیب لوگوں میں یہ بھی تھا کہ ایک ایک آدمی آکر خواہ مخواہ حضورؐ سے تخلیہ میں بات کرنے کی خواہش کرتا تھا یا مجلس عام میں یہ چاہتا تھا کہ آپؐ کے قریب جاکر سرگوشی کے انداز میں آپ سے بات کرے۔ یہ چیز حضورؐ کے لیے بھی تکلیف دہ تھی اور دوسرے لوگ جو مجلس میں موجود ہوتے' ان کو بھی ناگوار ہوتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی لگا دی کہ جو شخص بھی آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہے وہ پہلے صدقہ دے۔ اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ لوگوں کو اس بری عادت پر متنبہ کیا جائے تاکہ وہ اسے چھوڑ دیں۔ چنانچہ یہ پابندی بس تھوڑی دیر تک باقی رکھی گئی اور جب لوگوں نے اپنا طرزِ عمل درست کر لیا تو اسے منسوخ کر دیا گیا۔ (دیباچہ سورہ)]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس حکم کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ باتیں (یعنی تخلیہ کی درخواست کر کے) پوچھنے لگے تھے حتیٰ کہ انھوں نے حضورؐ کو تنگ کر دیا۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے نبی پر سے یہ بوجھ ہلکا کر دے (ابن جریر)۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شخص بھی علیحدگی میں بات کرنے کی درخواست کرتا' آپ اسے رد نہ فرماتے تھے۔ جس کا جی چاہتا' آکر عرض کرتا کہ میں ذرا الگ بات کرنا چاہتا ہوں۔ اور آپ اسے موقع دے دیتے' یہاں تک کہ بہت سے لوگ ایسے معاملات میں بھی آپ کو تکلیف دینے لگے جن میں الگ بات کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ زمانہ وہ تھا جس میں سارا عرب مدینہ کے خلاف برسرِجنگ تھا۔ بعض اوقات کسی شخص کی اس طرح کی سرگوشی کے بعد شیطان لوگوں کے کان میں یہ پھونک دیتا تھا کہ یہ فلاں قبیلے کے حملہ آور ہونے کی خبر لایا تھا اور اس سے مدینہ میں افواہوں کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف لوگوں کی اس حرکت کی وجہ سے منافقین کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کانوں کے کچے ہیں' ہر ایک کی سن لیتے ہیں۔ ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی لگا دی کہ جو آپ سے خلوت میں بات کرنا چاہے وہ پہلے صدقہ دے (احکام القرآن لابن العربی)۔

قتادہ کہتے ہیں کہ دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے کے لیے بھی بعض لوگ حضورؐ سے خلوت میں بات کرتے تھے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم آیا تو حضورؐ نے مجھ سے پوچھا کتنا صدقہ مقرر کیا جائے؟ کیا ایک دینار؟ میں نے عرض کیا یہ لوگوں کی مقدرت سے زیادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا نصف دینار؟ میں نے عرض کیا لوگ اس کی مقدرت بھی نہیں رکھتے۔ فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا بس ایک جو برابر سونا۔ فرمایا انك لزھید یعنی تم نے تو بڑی کم مقدار کا مشورہ دیا (ابن جریر، ترمذی، مسند ابویعلی)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کی یہ ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا۔ اس حکم کے آتے ہی میں نے صدقہ پیش کیا اور ایک مسئلہ آپ سے پوچھ لیا (ابن جریر، حاکم، ابن المنذر، عبدبن حمید)۔ دوسرا حکم اوپر کے حکم کے تھوڑی مدت بعد ہی نازل ہو گیا اور اس نے صدقہ کے وجوب کو منسوخ کر دیا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ صدقہ کا یہ حکم کتنی دیر رہا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایک دن سے بھی کم مدت تک باقی رہا۔ پھر منسوخ کر دیا گیا۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں دس دن تک رہا۔ یہ زیادہ سے زیادہ اس حکم کے بقا کی مدت ہے جو کسی روایت میں بیان ہوئی ہے۔ (تفہیم القرآن' ج ۴' ص ۳۶۰-۳۶۴)

اقامتِ دین و ترویجِ شریعت اور تزکیہ نفس

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

تین ضخیم جلدوں پر مشتمل 'مجدد الف ثانی کے خطوط میں تفہیم و تبلیغ دین' احیائے سنت 'تزکیہ نفس' جہاد فی سبیل اللہ' ترویج شریعت اور اقامت دین کے موضوعات پر بڑا بیش قیمت سامان موجود ہے۔ ان خطوط کو ان کی زندگی ہی سے مقبولیت عام حاصل رہی ہے اور ان میں سے چند منتخبات ہم پہلے بھی (جنوری '۹۴) قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔(مدیر)

ملّا غازی کے نام

واضح ہو کہ امت کا کوئی فرد ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنے پیغمبرؑ سے برابری پیدا کر سکے' اگرچہ وہ فرد کمالات میں کتنے ہی بڑے درجہ پر کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ جو کمالات اس کو حاصل ہوئے ہیں' شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہی کے ذریعے حاصل ہوئے ہیں۔ پس تمام کمالات جو اس فرد کو حاصل ہیں' پیغمبر کے لیے بھی ثابت ہوں گے' دوسرے متبعین کے کمالات اور پیغمبر کے کمالات مخصوص ساتھ ساتھ۔ اسی طرح وہ فرد کامل کسی اور پیغمبر کے رتبے کو بھی نہیں پہنچ سکتا' اگرچہ اس پیغمبر کی کسی ایک شخص نے بھی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو کسی نے بھی قبول نہ کیا ہو۔

ہر پیغمبر اصل میں صاحب دعوت ہے اور تبلیغ شریعت پر مامور۔ امتیوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں کوئی نقصان نہیں پیدا کرتا۔ یہ بات بھی اچھی طرح روشن ہے کہ کوئی کمال' دعوت و تبلیغ کے مرتبے کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ اللہ کے بندوں میں وہ بندہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے جو بندوں کی دوستی اللہ سے اور اللہ کی دوستی بندوں سے کرا دے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام داعی و مبلغ ہی کا ہے۔ تم نے سنا ہو گا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن علما کی روشنائی' شہدا فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ وزن کریں گے' اور علما کی روشنائی کا پلہ' شہدا کے خون کے پلے سے بھاری ہو گا۔

امت کو یہ دولت دعوت و تبلیغ' بالاصالہ میسر نہیں ہے۔ جو کچھ بھی دعوت و تبلیغ ان کے پاس ہے وہ پیغمبرؑ کے طفیل میں ضمنی طور پر ہے۔ اصل اصل ہوتا ہے' اور فرع اصل سے نکلتی ہے۔ اس مقام

سے اس امت کے اندر دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کی فضیلت سمجھنا چاہیے۔

شیخ فرید بخاری کے نام

آج کے دن اسلام بہت کسمپرسی کے عالم میں ہے۔ایک جیتل (پیسہ) اگر آج تقویت دین کے سلسلہ میں صرف کیا جائے گا تو کروڑوں کے اجر میں قبول کریں گے۔ دیکھیے کس شہباز کو ترویج دین کی دولت عظمیٰ سے مشرف کرتے ہیں۔ ترویج دین اور تقویتِ ملت جس وقت اور جس سے بھی وقوع میں آئے 'اچھی ہے لیکن اس وقت میں 'جبکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے ' آپ جیسے سیادت مآب جوانمردوں کے لیے بہت ہی زیادہ زیبا اور مناسب ہے۔کیونکہ یہ اسلام آپ ہی کے بزرگ خاندان سے نکلا ہے 'حقیقی وراثت نبوی ؐاسی ترویج و اشاعت دین میں مضمر ہے۔حضرت پیغمبر خدا ؐ نے اپنے صحابہ ؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ ''تم ایسے زمانہ میں موجود ہو کہ اگر امر و نواہی میں سے دسواں حصہ ترک کر دو تو تباہ ہو جاؤ' اور تمھارے بعد جو لوگ آئیں گے اگر وہ دسواں حصہ بھی اوامر و نواہی کا انجام دے لیں گے تو نجات پا جائیں گے۔'' یہ وقت وہی وقت ہے اور یہ موجودہ لوگ وہی لوگ ہیں۔

(بادشاہ کو) مسائل شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع دینی ضروری ہے۔جب تک ایسا نہ ہو گا' علما اور مقربانِ بادشاہ کی ذمہ داری ادا نہ ہوگی۔اس تبلیغی جدوجہد اور گفتگو میں اگر کسی جماعت کو تکلیف و اذیت بھی پہنچ جائے تو زہے قسمت ! انبیا علیہم السلام نے تبلیغ احکام شرعیہ میں کیا کچھ تکلیفیں نہیں جھیلیں اور کتنی کچھ دشواریاں برداشت نہیں کیں؟ وہ جو تمام انبیا ؑمیں سب سے افضل تھے 'یعنی حضرت محمد مصطفی ؐ'انھوں نے فرمایا ہے: مجھے اللہ کے راستے میں جتنی تکلیف دی گئی ہے کسی نبی کو اتنی تکلیف نہیں دی گئی۔

سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام (جہانگیر) نے اپنے اسلامی حسن باطن کی بنا پر آپ سے فرمایا ہے کہ آپ چار ایسے دیندار عالم مہیا کریں جو حاضر رہ کر مسائل شرعیہ کو بیان کیا کریں تاکہ کوئی امر خلاف شرع واقع نہ ہو۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ۔ مسلمان کو اس سے بہتر کیا بشارت اور ''ماتم زدگان'' کو اس سے اچھی کیا خوش خبری ہو سکتی ہے۔چونکہ فقیر اسی غرض سے آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے 'لہٰذا ضرورتاً (اب بھی) اس بارے میں کہنے اور لکھنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں رکھوں گا۔امید کہ مجھے معذور قرار دیں گے۔ صاحب الغرض مجنون (صاحب غرض مجنون ہوتا ہے۔) ایسے دیندار علما جو حب جاہ اور حب ریاست سے علیحدہ ہوں' اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے علاوہ کوئی اور مطلب

نہ رکھتے ہوں' تعداد میں بہت قلیل ہیں ۔ اگر ان میں حب جاہ ہوئی تو ہر ایک کوئی نہ کوئی ڈگر اختیار کر کے اپنی فضیلت کا اظہار کرے گا' اختلافی مسائل درمیان میں لائے گا' اور اس طرز کو بادشاہ کے قرب کا ذریعہ بنائے گا۔ لامحالہ دین کی فہم ابتر ہو جائے گی ۔گزشتہ زمانہ (عہد اکبری) میں علمائے سوء کے اختلافات ہی نے دنیا کو بلا میں ڈالا تھا۔ اب بھی علمائے سوء کی صحبت کا اندیشہ درپیش ہے ۔ایسی صورت میں ترویج دین کیا خاک ہوگی' الٹی تخریب دین ہو جائے گی ۔میں علمائے سوء کے فتنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ علما آخرت میں سے کوئی عالم میسر آجائے تو اس سے اچھی کیا بات ہے' اس کی صحبت کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے ۔اگر وہ میسر نہ آئے تو غور و فکر کے بعد علما میں سے کسی بہتر و غنیمت عالم کا انتخاب کر لیا جائے ۔اگر کل میسر نہ آئے تو کل کو ترک بھی نہ کیا جائے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس بارے میں سوائے اس کے اور کیا لکھوں کہ خلائق کی ہدایت علما کے وجود سے وابستہ ہے' اسی طرح دنیا کی گمراہی بھی انھی سے وابستہ ہے ۔

خان اعظم کے نام

خان اعظم مرزا عزیز کوکا' اکبر کے رضاعی بھائی تھے اور اس نے انھیں اپنی وکالت کے منصب پر فائز کر کے 'اپنی مہر' ان کے سپرد کی تھی ۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تائید کرے ' اور احکام اسلامیہ کے غالب کرنے میں دشمنان اسلام کے مقابلے میں آپ کی مدد فرمائے ۔

مخبر صادق ؐ کا ارشاد ہے : الاسلام بداء غریباً وسیعود کما بداء فطوبی للغرباء (اسلام اپنے آغاز میں اجنبیت اور کسمپرسی کی حالت میں رہا اور جس طرح اس کا آغاز ہوا تھا عنقریب وہ پھر اسی طرح ہو جائے گا ۔پس خوشخبری ہے غربا کو ۔یعنی ان لوگوں کو جو ایسی حالت میں اسلام سے وابستگی رکھنے کی بنا پر اس کے شریک حال ہوں ۔ غربت اسلام اس حد کو پہنچی ہے کہ کفار برملا طعن اسلام اور ''ذم مسلمانان'' کر رہے ہیں اور بے محابا احکام کفر کا اجرا اور اہل کفر کی مداحی کوچہ و بازار میں ہو رہی ہے ۔ مسلمان اجرائے احکام سے روک دیے گئے ہیں اور شریعت کی انجام دہی میں قابل ملامت و مطعون ہیں ۔ سبحان اللہ وبحمدہ' رونق شرع شریف' سلاطین کے ساتھ وابستہ بتلائی گئی ہے 'مگر اب قضیہ بالکل الٹا ہے اور معاملہ برعکس ہے ۔واحسرتا' واندامتا' واویلا! ہم اس دور میں آپ کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں' اور اس ''معرکہ ضعیف و شکست خوردہ'' میں آپ ہی کو ایک ایسا جرنیل سمجھتے ہیں جو خم ٹھونک کر میدان مقابلہ میں آجائے ۔حق تعالیٰ آپ کا ناصر و موید ہے ۔بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث شریف میں ہے :لن یومن احدکم حتی یقال انہ مجنون' تم میں سے کوئی اس وقت تک

ہرگز کامل ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک اس کو دین کے معاملہ میں مجنون نہ کہا جائے۔ اس وقت وہ جنون، جس کی اصل غیرت اسلام کی کثرت ہے، آپ کی طبیعت میں محسوس ہو رہا ہے۔ الحمد للہ سبحانہ علی ذالک۔ آج وہ زمانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل قلیل کے مقابلے میں اجر جزیل عطا فرمائیں گے۔ اصحاب کہف کا ہجرت کے علاوہ اور کوئی نمایاں عمل نہیں ہے، مگر اسی ایک بروقت عمل نے ان کو بڑے فضائل عطا کیے۔ سپاہی دشمن کے حملے کے وقت اگر تھوڑی سی جدوجہد کرتے ہیں تو اس کا بہت بڑا اعتبار ہوتا ہے، بخلاف زمانہ امن کے۔ یہ جہاد قولی جو آج آپ کو میسر ہے، جہاد اکبر ہے۔ اس کو غنیمت سمجھیے اور اس میں ترقی طلب کیجیے۔ اس ''جہاد گفتن'' کو ''جہاد کشتن'' سے بہتر جانیے۔ ہم جیسے فقرائے بے دست و پا اس دولت سے محروم ہیں۔

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

(ہم نے تجھ کو خزانہ مقصود کا پتا دے دیا ہے، اگر ہم وہاں تک نہ پہنچ سکے تو شاید تو ہی پہنچ جائے۔)

حضرت خواجہ احرار فرمایا کرتے تھے: اگر میں پیری مریدی پر آ جاؤں تو کوئی دنیا میں میرے مقابلے میں مرید نہ پا سکے۔ مگر مجھے تو کسی اور کام کے لیے ہی حکم دیا گیا ہے۔ وہ کام ترویج شریعت اور تائید ملت ہے۔ چنانچہ خواجہ احرار سلاطین کے پاس جایا کرتے تھے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع بناتے تھے اور ان بادشاہوں کے ذریعہ ترویج شریعت کیا کرتے تھے۔ التماس یہ ہے کہ --- جبکہ حق تعالیٰ نے بزرگان نقشبندیہ کی محبت کی برکت سے آپ کی بات میں ایک تاثیر بخشی ہے اور آپ کی عظمت مسلمانی تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئی ہے --- سعی فرمائیں کہ کم از کم اہل کفر کے وہ شعائر جو اہل اسلام میں رائج ہو گئے ہیں، ختم ہو جائیں، اور مسلمان ان منکرات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمین کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ پچھلی سلطنت (عہد اکبری) میں تو دین مصطفوی ؐ کے ساتھ ایک دشمنی محسوس ہوتی تھی، اس سلطنت (جہانگیری) میں بظاہر وہ دشمنی تو نہیں ہے۔ اگر ہے بھی تو عدم علم کی وجہ سے ہے۔ مگر خوف یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس سلطنت میں بھی انجام کار دشمنی دین تک نوبت پہنچ جائے اور مسلمانوں کا معاملہ تنگ تر ہو جائے۔

خان جہاں کے نام

جس دولت و نعمت سے حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ممتاز کیا ہے اور دوسرے لوگ اس دولت سے غافل ہیں بلکہ قریب ہے کہ آپ بھی اس دولت کو نہ پائیں، وہ یہ ہے کہ بادشاہ وقت (جہانگیر) ہفت پشت سے مسلمان ہے، ساتھ ہی ساتھ اہل سنت اور حنفی ہے۔

یہ بادشاہ عظیم الشان جبکہ آپ کی بات اچھی طرح سنتا اور اس کو قبول کرتا ہے، تو کتنی اعلیٰ درجہ کی بات ہوگی کہ صراحتاً یا اشارتاً کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو موافق معتقدات اہل سنت و جماعت، بادشاہ وقت کے کانوں میں ڈال دیں، اور جتنی گنجائش بھی نکلے اہل حق کی باتوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کریں۔بلکہ اس بات کے منتظر رہیں کہ کوئی نہ کوئی صورت ایسی نکلے جس کی بنا پر، سخن مذہب درمیان میں آجائے، تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار اور کفر و کافری کے باطل ہونے کا بیان ہو سکے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سلطان کی حیثیت روح کی ہے، اور تمام لوگ مانند جسم کے ہوتے ہیں۔اگر روح صالح ہے، جسم و بدن بھی صالح ہے۔اگر روح فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔پس ان کی اصلاح کی کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے۔اصلاح کلمۂ اسلام کے اظہار میں مضمر ہے، جس طرح بھی اور جس وقت بھی مناسب ہو۔اگر یہ دولت میسر ہوئی تو سمجھو کہ انبیا علیہم السلام کی وراثت عظمیٰ حاصل ہوگئی۔آپ کو یہ دولت مفت میں حاصل ہے۔اس دولت کی قدر پہچاننی چاہیے۔ واللہ سبحانہ الموفق۔

بموافق شریعت، جس کا دارومدار سہولت پر ہے--- تھوڑی سی جدوجہد سے ملک ابدی حاصل ہوتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور لاپرواہی سے یہ دولت جاودانی ہاتھ سے نکل جاتی ہے--- عقلِ دور اندیش کو کام میں لیا جائے اور (نادان) بچوں کی طرح معمولی چیزوں کو (اس دولت جاودانی کا) بدل اور عوض نہ ٹھیرایا جائے۔یہی ڈیوٹی جو آپ سے متعلق ہے، اگر اس کو شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ادائیگی کے ساتھ ملالیں تو کارِ انبیا انجام دیں گے اور دین متین کو منور و معمور کر دیں گے۔ہم فقیر اگر سالہا سال جان کھپائیں تب بھی اس عمل میں آپ جیسے شاہبازوں کی گرد کو نہ پہنچ سکیں گے۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

(توفیق و سعادت کی گیند قضا و قدر نے میدان میں پھینک دی ہے۔شہسواروں کو کیا ہوگیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی میدان میں نہیں آتا (اور توفیق و سعادت کو حاصل نہیں کرتا)۔

صدر جہاں کے نام

کہا گیا ہے "لوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریقے پر ہوتے ہیں"۔زمانہ گذشتہ کا کاروبار اس بات کا گواہ ہے۔اب جبکہ انقلاب حکومت ہوگیا ہے، اور اہل مذاہب کے عناد کی صورتیں درہم برہم

ہوگئی ہیں ' آئمہ اسلام پر ' خواہ وہ صدر الصدور ہوں یا علما کرام ' لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو ترویج شریعت اور آغاز کار ہی میں اسلام کے منہدم ارکان کو قائم و برپا کرنے میں مشغول کر دیں کیونکہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ تاخیر کے باعث غریبوں کے دل اضطراب میں ہیں۔ دور سابق کی سختیاں مسلمانوں کے دلوں پر نقش ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تلافی نہ ہو اور اسلام کی کسمپرسی طول کھینچ جائے۔ جبکہ بادشاہ ترویج سنت نبویہ میں سرگرم نہ ہوں ' نیز ان کے مقربین بھی اس معاملے میں ڈھیلے پڑ جائیں اور حیات چند روزہ کو ہی عزیز سمجھیں تو فقرائے اہل اسلام پر کام بہت تنگ و تاریک ہو جائے گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

خواجہ محمد شرف الدین کے نام

اے فرزند ' فرصت کو اور صحت و فارغ البالی کو غنیمت جان کر ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھو۔ ہر وہ عمل جو شریعت مطہرہ کے مطابق کیا جائے ' داخل ذکر ہے ' اگرچہ خرید و فروخت ہو۔ پس تمام کاموں اور حرکات و سکنات میں احکام شرعیہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ وہ سب کام ذکر (کے حکم میں) ہو جائیں۔ اس لیے کہ ذکر نام ہے غفلت کے دور کرنے کا۔ جب تمام افعال میں اللہ کے احکام اور اوامر و نواہی کا خیال رکھا گیا تو (اس صورت میں) اللہ تعالیٰ سے ۔ جو کہ (اچھے کاموں کا) حکم کرنے والا اور (برے کاموں سے) منع کرنے والا ہے۔ غفلت نہ رہی اور (اس طرح سے) دوام ذکر حاصل ہو گیا۔

خواجہ شرف الدین حسین کے نام

فرزند عزیز ' یہ لحات زندگی غنیمت ہیں۔ چاہیے کہ بے قاعدہ کاموں میں صرف نہ ہوں ' بلکہ اللہ کی مرضیات کے مطابق صرف ہوں۔ چاہیے کہ پانچوں وقت کی نماز جمعیتِ قلب کے ساتھ باجماعت اور تعدیل ارکان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا ہو۔ نماز تہجد کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ صبح کے وقت استغفار کو بھی نہ چھوڑیں ' خوابِ خرگوش سے لذت یاب نہ ہوں۔ یہ دنیا کے جو منافع ہیں ' ان پر بھی فریفتہ نہ ہوں ' موت اور آخرت کی ہولناکی کا بھی دھیان رکھیں۔ الغرض دنیا سے روگرداں اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں۔ بقدر ضرورت دنیا میں مشغول ہوں ' باقی تمام اوقات کو امورِ آخرت کی مشغولی سے معمور رکھیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دل گرفتاری غیراللہ سے آزاد ' اور ظاہر ' احکامِ شرعیہ سے آراستہ و مزین ہو۔ کرنے کا کام یہ ہے ' باقی سب ہیچ ہے۔

مولانا محمد طاہر بدخشی

چونکہ یہ دنیا دار عمل ہے اور دار جزا' دار آخرت ہے' اس لیے اعمال صالحہ کے کرنے میں پوری کوشش کرنی چاہیے۔ اعمال میں بہترین عمل اور عبادات میں فاضل ترین عبادات 'اقامت صلوۃ' ہے۔ نماز دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ (اس لیے) نماز کی ادائیگی میں پورا اہتمام ملحوظ رکھا جائے اور احتیاط کرنی چاہیے کہ نماز کے ارکان و شرائط اور سنن و آداب نماز کے شایان شان ادا ہوں۔ طمانیت و تعدیل ارکان کے متعلق بار بار تاکید کی جاتی ہے' اس کی اچھی محافظت کریں۔ اکثر لوگوں کو دیکھا جا رہا ہے کہ وہ نماز کو ضائع کرتے ہیں اور طمانیت و تعدیل ارکان کو برباد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں وعیدیں اور تہدیدیں وارد ہوئی ہیں۔ نماز جب درست ہوگئی' تو (سمجھو) نجات کے لیے امید عظیم میسر آگئی۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے دین قائم ہوا اور عروج کا ذریعہ مکمل ہوگیا۔

مرزا فتح اللہ حکیم کے نام

اگر نماز بے حیائی اور برائی سے نہیں بچا رہی تو سمجھو کہ صرف صورت نماز ہے' حقیقت نماز نہیں۔ مگر جس وقت تک حقیقت حاصل نہ ہو جائے' صورت کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ اگر کل نہ مل سکے تو کل کو نہ چھوڑا جائے۔ اکرم الاکرمین صورت نماز ہی قبول فرمالیں تو ان کی شان سے یہ بعید نہیں۔ بس تم پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرو۔

شیخ فرید بخاری کے نام

انسان کے نفس میں جاہ و اقتدار کی محبت تخلیق کی گئی ہے۔ اس کی تمام تر توجہ یہ ہوتی ہے کہ اپنے زمانہ میں لوگوں پر بلندی حاصل ہو جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی محتاج ہو' وہ خود کسی کا محتاج و محکوم نہ ہو.... فقر محمدی میں نفس کی عاجزی نصیب ہوتی ہے--- شریعتیں ہوائے نفسانی کو دور کرنے کے واسطے نازل ہوتی ہیں۔

ہوائے نفسانی کے ازالے کے لیے احکام شرعیہ میں سے کسی ایک حکم کا بجا لانا ایسے ہزار سالہ ریاضات و مجاہدات سے بہتر ہے جو اپنی رائے سے کیے جائیں۔ ایسے ریاضات و مجاہدات جو شریعت کے تقاضے کے مطابق نہ ہوں' ہوائے نفسانی کو تقویت دیا کرتے ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضات و مجاہدات میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے' مگر ان کو فائدہ کچھ بھی نہ ہوا' البتہ نفس کو تقویت ضرور حاصل ہوگئی۔ شریعت کے مطابق تھوڑی سی رقم (باقاعدہ) زکوۃ میں نکالنا' نفس کو پامال کرنے کے لیے اتنی مفید ہے کہ اپنی رائے سے یوں ہی ہزار دینار خرچ کر دینا اتنا مفید نہیں ہے۔ خواہش نفس توڑنے کے

لیے حکم شریعت کے ماتحت عید الفطر کے دن کھانا کھا لینا' اپنی مرضی سے سالہا سال نفلی روزے رکھنے سے بھی زیادہ نافع ہے۔ اور صبح کی دو رکعت نماز جماعت سے ادا کرنا ایک مستقل سنت کا انجام دینا ہے۔ یہ عمل ثواب میں اس سے کہیں زیادہ ہے کہ تمام رات صلوٰۃ نافلہ ادا کرتا رہے اور صبح کی نماز بے جماعت ادا کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو گا اور اس کے اندر سے تکبر کا مادہ نکال نہ لیا نہ جائے گا' نجات محال ہے۔ اس مرض کے ازالے کی فکر بہت ضروری ہے تاکہ بات موت ابدی تک نہ پہنچے۔

ایک ہم عصر شیخ کے نام

عبادت و ریاضت کرنے سے غرور اور بالاتری کا احساس پیدا ہوتا در اصل عجب کی کیفیت ہے' اور یہ سخت قاتل اور مہلک مرض ہے جو اعمال صالحہ کو اس طرح نیست و نابود کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اس بیماری کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عبادت وغیرہ اعمال صالحہ کو بہت اچھا اور قیمتی سمجھتا ہے' اور اس کا علاج اس کے برخلاف رویہ اختیار کرنا ہے۔ وہ یہ کہ آدمی اپنے نیک اعمال کو بدگمانی کی نظر سے دیکھے اور ان کے اندر جو خرابیاں اور برائیاں چھپی ہوئی ہیں ان پر نظر جمائے۔ پھر وہ محسوس کرے گا کہ اس کے وہ اعمال قابل قبول ہی نہیں ہیں' اور وہ خود بھی مقبولوں میں نہیں ہے بلکہ مردودوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ؐ کا ارشاد ہے: "بہت سے لوگ ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔" ایک دوسری حدیث میں ہے: "کتنے ہی روزہ رکھنے والے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ ان کے روزہ کا حاصل بھوک اور پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں' اور کتنے ہی تہجد گزار ہیں جن کے تہجد کی حقیقت اور اس کا انجام بے خوابی اور بیداری کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔"

کسی کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ اس کے نیک اعمال خرابی سے خالی ہیں۔ ذرا بھی غور و توجہ سے اگر وہ دیکھے گا تو' اللہ تعالیٰ کی توفیق سے' اپنے نیک اعمال میں ساری خرابیاں دیکھ لے گا' اور حسن و خوبی کی بو بھی ان میں محسوس نہ کرے گا۔ کیسا عجب اور کہاں کا احساس بالاتری بلکہ اپنے ان اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کے احساس سے وہ شرمندہ اور دل شکستہ ہو گا۔ یہی چیز ان کے نزدیک اس کے اعمال کی قیمت بڑھا دے گی۔ بس اس کی کوشش کریں کہ اپنے اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی عادت ہو جائے۔ اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔

پہلوان محمود کے نام

سعادت مند وہ ہے جس کا دل دنیا سے سرد، اور محبت حق کی حرارت سے گرم ہو۔ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، اور اس کا ترک تمام عبادات کی اصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا اللہ کی ناپسندیدہ اور مبغوض چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے: دنیا اور اس کی چیزیں ملعون ہیں، سوائے اللہ کے ذکر کے۔ چونکہ ذاکرین، بلکہ ان کے وجود کا ہر ذرہ ذکر اللہ سے پر ہوتا ہے، اس لیے وہ اس وعید سے خارج ہوں گے اور اہل دنیا کی فہرست میں نہ آئیں گے۔

دنیا وہ ہے کہ دل کو حق سبحانہ سے باز اور اس کے ماسوا کے ساتھ مشغول رکھے۔ خواہ اموال و اسباب ہوں، خواہ جاہ و ریاست، خواہ ننگ و ناموس۔ جو چیز دنیا ہے وہ بلائے جان ہے۔ اس کے مالک اور اس میں مشغول، دنیا میں ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور آخرت میں ندامت و حسرت والوں میں ہوں گے۔ ترک دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی طرف رغبت نہ ہو۔ عدم رغبت اس وقت ثابت ہوگی جب دنیا کے سروسامان کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوں۔ یہ بات اس وقت تک حاصل ہونی مشکل ہے جب تک ارباب جمعیت کی صحبت حاصل نہ ہو۔ اگر ایسے لوگوں کی صحبت حاصل ہو جائے تو اس کو غنیمت شمار کرنا اور خود کو ان کے سپرد کر دینا چاہیے۔ (مرتبہ: خ ۔ م)

خصوصی رعایت --- کلیرنس سیل

نقد ادائیگی پر 50% فیصد رعایت

1-	جواہر القرآن حصہ اول	جان فیض آبادی	105/-
2-	شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی	محمد فاروق خان	9/-
3-	زکوۃ' فلسفہ اور قانون	فرشتہ ـ ق بساس	75/-
4-	اسلام کا قانون محنت	ریاض حسین ایم اے	15/-
5-	مشرق وسطیٰ کا بحران اور رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں	محمد محی الدین شرقی	10/-
6-	نوید سحر (فلسفہ مغرب اور اسلام کا تقابلی مطالعہ)	پروفیسر انوار الحق سمی	15/-
7-	روس میں مسلمان قومیں	آباد شاہ پوری	60/-
8-	اسلامی حکومتوں میں ذمیوں کے حقوق و فرائض	پروفیسر حبیب السعید	3/-
9-	مولانا مودودی کی تقاریر (حصہ اول)	مرتبہ ثروت صولت	33/75
10-	مولانا مودودی کی تقاریر (حصہ دوم)	مرتبہ ثروت صولت	45/-
11-	مولانا مودودی کے انٹرویو دوم	مرتبہ ابو طارق ایم اے	38/25
12-	دنیائے اسلام کی موجودہ اسلامی تحریکیں	مولانا مسعود عالم ندوی	3/-
13-	شہید بالاکوٹ	حسین حسنی	27/-
14-	ترکی قدیم و جدید	خلیل احمد حامدی	25/50
15-	ترکی اور ترک	ثروت صولت	60/-
16-	اقبال کا فلسفہ خودی اور عقیدۂ آخرت	پروفیسر فروغ احمد	12/-
17-	ارمغان اقبال	پروفیسر رحیم بخش شاہین	66/-
18-	اوراق گم گشتہ	"	30/-
19-	اسلامی انقلاب دا مدینہ (پنجابی نظمیں)	عبداللہ شاکر	33/-
20-	مختصر دائمی قمری تقویم	علی محمد خان	18/-

☆ انگریزی کی 23 کتب کی تفصیلات طلب کریں۔

(اسٹاک محدود ہے' جلد طلب فرمائیں)

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

13- ای شاہ عالم مارکیٹ' لاہور (پاکستان)

فون 7325243 - 7664504 ـ فیکس 7658674 (042)

وقت، کہ پگھلتا جا رہا ہے

نعمت اللہ خاں ایڈووکیٹ

میرے بھائی، میری بہن، ذرا غور کیجیے! انسان دنیا میں تنہا آتا ہے، تنہا رہتا ہے، اور تنہا مر جاتا ہے۔ قبر میں بھی تنہا اتارا جاتا ہے۔ قبر کے اندر سب معاملات بھی خود تنہا بھگتتا ہے۔ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو اکیلا ہی قبر سے اٹھے گا۔ نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ اللہ کے حضور اکیلا ہی حاضر کیا جائے گا، اور اپنے اچھے اور برے اعمال کی جزا یا سزا پائے گا۔ کیسی عجیب تنہائی ہے! کوئی کسی کا نہیں۔ کروڑوں انسان دنیا میں ہیں، اور اربوں روزِ محشر جمع ہوں گے۔ لیکن ہر ایک بالکل تنہا۔ اس پر ہنگم اور پُرشور دنیا میں ہم بالکل تنہا ہیں۔ اپنے جیسے انسان، اپنے ہم مذہب انسان، اپنے ہم خیال انسان، اپنے ہم جماعت انسان، اپنے ہم زبان انسان، ہزاروں لاکھوں انسان، بظاہر ساتھ رونے اور ساتھ ہنسنے والے انسان، ساتھ اٹھنے اور ساتھ بیٹھنے والے انسان، لیکن ان کے درمیان ہر ایک تنہا، ہر انسان اپنی اپنی غرض میں گم، اپنی اپنی فکر میں پریشان!

لیکن نہیں۔ یقیناً انسان اپنے جیسوں میں تو تنہا ہے، لیکن ایک ہے جو اس کے ساتھ ہے، جو اس کی تنہائی کا ساتھی ہے، جو اس کا ہمدرد و غمگسار ہے، جو اس کا پشت پناہ ہے، جو ہمہ وقت منتظر ہے کہ کب کوئی تنہا انسان اسے پکارے۔ جو صاحبِ قدرت ہے اور اس تنہائی احتیاج پوری کر سکتا ہے۔ جو دنیا میں بھی، قبر میں بھی، میدانِ حشر میں بھی، ہر جگہ اس کا ساتھی ہے۔ وہ جواب دینے کو ہمہ وقت تیار ہے، صرف پکارنے کی دیر ہے۔ وہ ہستی رب کائنات کی ہستی ہے۔ اللہ رب العزت کی ہستی ہے۔ فاذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔

لیکن عجیب معاملہ ہے! جو بھاگا جا رہا ہے ہم اس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ جو خود خالی ہاتھ ہے، ہم اس سے مانگ رہے ہیں۔ جو خود بیمار ہے، اس سے صحت کے متمنی ہیں۔ جو خود کمزور ہے، اس سے ڈرتے ہیں۔ اور وہ جو ہمارے ساتھ ہے، اللہ رب العزت، اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ جو خود دیتا ہے اس کے آگے جھولی نہیں پھیلاتے۔ جو خزانوں کا مالک ہے، اس پر بھروسہ نہیں کرتے۔ جو بڑی سخت عقوبت والا ہے اس سے نہیں ڈرتے۔

ذرا سوچیے تو، اگر کوئی مصیبت آجائے تو ہم اپنے جیسوں کے گلے لگ کر رو پڑتے ہیں، لیکن کیا

کبھی اس رب العزت کے سامنے بھی روتے ہیں؟ جس سے کچھ تھوڑا سا بھی لگاؤ ہوتا ہے اس کے لیے ہم ایئرپورٹ پر' اسٹیشن پر گھنٹوں کھڑے ہوتے ہیں' لیکن کیا ہم راتوں کو اپنے پیارے رب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں؟ میرے عزیز' بات لگاؤ کی ہے۔ کوئی تھوڑا سا احسان کر دے تو ہم ہر کس و ناکس کے آگے اس کے گن گاتے ہیں۔ لیکن شاید اللہ رب العزت نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا جبھی تو ہم اس کا ذکر نہیں کرتے' اس کے گن نہیں گاتے۔

میرے عزیز' یہ کیا عجیب بات ہے کہ ہم اسی کے نام پر اسلامی انقلاب برپا کرنے چلے ہیں اور اسی سے ہماری ملاقات کا اہتمام نہیں' اسی کے ذکر کثیر سے ہم محروم ہیں' اسی کی کتاب سے لاتعلق ہیں۔ وہ کتاب جس کے غلبہ کی ہم بات کرتے ہیں' اس میں کیا لکھا ہے' ہم نہیں جانتے۔ وہ جس کے اتباع کی ہم بات کرتے ہیں' جس پہ ہم جان نثار کرنے کو تیار رہتے ہیں' جس کی ذات پر ہم درود بھیجتے نہیں تھکتے' سب سے زیادہ جس کی محبت کے دعوے کرتے ہیں' اسی کے اسوہ پر عمل میں پیچھے رہتے ہیں۔

ہم لوگوں سے مانگنے تو جاتے ہیں' انھیں کچھ دیتے نہیں۔ لوگوں کو خدا کا خوف نہیں دیتے' رات کو اللہ کے حضور کھڑے رہنے کی تمنا نہیں دیتے' جنت کا شوق نہیں دیتے' اللہ رب العزت سے لو لگانے کی ترغیب نہیں دیتے' رحمت اللعالمین کی آغوشِ رحمت میں آنے کی بے قراری نہیں دیتے۔ میرے عزیز' یہ سب کچھ ہم دیں بھی کیسے؟ دی تو وہ چیز جاتی ہے جو خود اپنے پاس ہو' اور وافر مقدار میں ہو۔

بات بہت چھوٹی ہے' اور بہت بڑی بھی۔ چاہیے کہ ہم خود غرض ہو جائیں۔ ایسے خود غرض کہ کوئی کرے نہ کرے ہم اپنے رب کو راضی کریں' کوئی پائے یا نہ پائے ہم اس کی رحمتوں کو پانے والے بنیں' کوئی بچے یا نہ بچے ہم دوزخ کی آگ سے بچنے والے بنیں۔

اللہ تعالیٰ تو کہتے ہیں' فاذکرونی اذکرکم' تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔ اصل میں وہی ہے' وہی ہے جو ہمارے ساتھ ہے۔ جب تک ہم اس سے اپنا تعلق مضبوط نہ کریں' اس کی کتاب میں گم نہ ہو جائیں' اس کے حضور رات کو کھڑے ہونے اور رونے کے عادی نہ ہو جائیں' اپنی پیشانیوں کو رات کی تاریکی میں اور صبح کے جھٹ پٹے میں اس کے حضور جھکنے والی نہ بنا لیں' خلوت و جلوت' نشست و برخاست' حضر و سفر ہر جگہ اس کے ذکر سے زباں کو تر نہ رکھیں اور جب تک اس کے بندوں کے لیے یہ بیتابی اور بے چینی ہمیں دیوانہ نہ کر دے کہ کاش وہ دوزخ سے نجات پانے والے اور اللہ کی رحمت سے فیض یاب ہونے والے بن جائیں' اس وقت تک ہم اس کے ہونے کے دعوے میں سچے نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے' اور ہمیں اس کی راہ میں تن من دھن لگا دینے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین!

چمن زادیم و ازیک شاخساریم

قاضی حسین احمد

الحمد للہ رب العالمین – و افضل الصلوات و التسلیم علی حبیبنا و حبیب ربنا محمد وعلی آلہ و أصحابہ أجمعین

آج کل مجھے یورپ کے مختلف ممالک میں مقیم پاکستانی اور غیر پاکستانی مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے اجتماعات سے خطاب کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی اہل علم و دانش اور صحافی حضرات سے بھی گفتگو ہوتی ہے۔ یورپ میں مقیم مسلمانوں سے میری گزارش یہی ہوتی ہے کہ وہ یہاں اسلام اور امت مسلمہ کے سفیر ہیں' اور اسلام کو اپنے قول اور عمل سے بہترین شکل میں اپنے غیر مسلم ہمسایوں کے سامنے رکھیں۔ مغربی مفکرین اور اہل قلم کو اسلام اور بالخصوص اسلامی تحریکوں سے متعلق بے شمار خدشات لاحق ہیں' میں اسلامی تحریکوں کے نمایندہ کی حیثیت سے ان خدشات کو دور کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

اسلام کا حسن لازوال ہے' مگر دنیا اس کی کتابی شکل سے زیادہ عملی شکل دیکھنے کی محتاج ہے۔ مسلمانوں کے قول و فعل کے تضاد نے اسلام اور دنیا کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ قرآن کہتا ہے: "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور تفرقہ میں نہ پڑو"۔ لیکن مسلمان آپس میں بٹے ہوئے ہیں' افہام و تفہیم اور ڈائیلاگ کے ذریعے اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے کے بجائے آپس میں قتل و غارت اور جنگ و جدل کا میدان گرم رکھتے ہیں۔ ہمارے حکمران اپنے ذاتی' علاقائی اور قلیل المدت مفادات پر اسلام اور امت مسلمہ کے وسیع تر مفاد کو قربان کر رہے ہیں۔

دوسری طرف مغربی قوتیں روس کے ساتھ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد مسلمانوں کو اپنا نیا دشمن تصور کر رہی ہیں۔ ان ناتواں مگر باہم دست و گریباں مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری' ظلم و جبر کے شیدائی' دہشت گرد' جمہوریت دشمن اور بہت کچھ گردانا جا رہا ہے' اور اس مسخ کردہ تصویر کو رائج کرنے کے لیے ان پر بنیاد پرست کا لیبل چسپاں کر دیا گیا ہے۔

بنیاد پرستی کی اصطلاح مغربی ذرائع ابلاغ کی ایجاد ہے۔ہم بنیاد پرست نہیں' اول و آخر مسلمان ہیں۔ہم نے کبھی اپنے خیالات کو دوسروں پر تھوپنے کے لیے قوت استعمال نہیں کی اور نہ ہی کبھی تشدد کو پسند کیا ہے۔تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمان ہر دور میں غیر مسلم اقلیتوں کے محافظ رہے ہیں۔ مغرب کا یہ الزام بالکل غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔انڈونیشیا میں سرے سے کوئی فاتح گیا ہی نہیں اور پوری کی پوری آبادیاں مسلمان ہوگئیں۔اگر یہ اسلام تلوار ہی کے زور سے پھیلا ہوتا تو کیا ہندوستان کے سلاطین کی تلواریں کند ہوگئی تھیں کہ برصغیر میں آج بھی مسلمان اقلیت میں ہیں۔

دراصل مغربی ذرائع ابلاغ' جن پر یہودی چھائے ہوئے ہیں' ان الزامات کی گرد اڑا کر اسلام کے چہرۂ صافی کو چھپا دینا چاہتے ہیں۔یہ ایک جھوٹے تصور کی بنیاد پر اسلام کا ہوا کھڑا کرنے کی کوشش ہے تاکہ مذہب اور خالق سے تعلق کا پیاسا مغرب کہیں اسلام کے دلفریب حسن کو اس کی مکمل تابانی میں نہ دیکھ لے۔مگر اللہ کو کچھ اور منظور ہے۔جتنا جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے' اسلام اسی قدر دلوں میں گھر کر رہا ہے۔سب سے زیادہ مخالفت فرانس میں ہو رہی ہے۔لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے پیرس میں مجھے بتایا کہ اس جاری مخالفت کے باوجود دس افراد روزانہ اسلام قبول کر رہے ہیں۔یوکے اسلامک مشن' انگلستان کے مراکز میں بھی اوسطاً ۴ افراد روزانہ اسلام قبول کر رہے ہیں۔انگریز معاشرہ کے کئی نمایاں افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔اسلام کی طرف اس رجوع سے مغربی پریس مزید بھڑکتا ہے۔ان یہودیوں نے صدیوں سے آباد لاکھوں فلسطینیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا ہے۔چند سخت جان باقی رہ گئے ہیں' یہ لوگ ظلم کے خلاف احتجاج کرتے ہیں تو دہشت گرد کہلاتے ہیں۔

ہندوستان نے کشمیر پر ناجائز قبضہ کیا۔وہ ۱۹۴۸ء میں خود اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں لے کر گیا۔ اقوام متحدہ نے کشمیری قوم کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا۔۴۷ برس میں ان کا یہ تسلیم شدہ حق انھیں نہ مل سکا۔وہ اپنا حق مانگتے ہیں' وہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنا چاہتے ہیں۔ہندوستان کی چھ لاکھ فوج ان کے گھروں کو گھیرے ہوئے ہے۔وہ روزانہ قتل ہوتے ہیں' ان کے گھر جلتے ہیں' ان کی فصلیں تباہ کی جاتی ہیں' ان کے مویشی ذبح کیے جاتے ہیں' ان کے معصوم بچوں کو اذیتیں دی جاتی ہیں' ان کی عورتوں کی عصمت دری ہوتی ہے مگر مغربی پریس' اور مغربی حکومتیں' مغربی اقوام کو دھوکا دیتے ہوئے ظلم کے خلاف اٹھنے والے مجبور و مقہور تنگ آمد بجنگ آمد کشمیریوں کو اپنی آزادی کی جنگ لڑنے پر دہشت گرد' باغی اور بنیاد پرست کہتے ہیں۔

بوسنیا کو خود یورپی اقوام نے ایک آزاد ملک کے طور پر تسلیم کیا۔یہ ان کی ڈپلومیٹک مجبوری تھی'

لیکن ان کا عزم مصمم تھا کہ یورپ کے قلب میں اسلام کا چراغ نہ جلنے پائے۔ اب سب مل کر اسے ایک طے شدہ اسکیم کے تحت ختم کر رہے ہیں' اس پر اسلحہ خریدنے کی پابندی ہے' اور یورپ اور باقی دنیا خاموشی کے ساتھ ایک قوم کی قوم کو مرتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

چیچنیا کبھی روس کا حصہ نہیں رہا ہے' اس پر قبضہ کیا گیا تھا۔ اس وقت روس پوری قوت سے ان پر چڑھائی کیے ہوئے ہے' آبادیوں کو ملبہ بنا دیا گیا ہے' لاکھوں قتل کیے جا چکے ہیں' مگر مسلمان حکمرانوں کو اس ظلم پر احتجاج تک کی توفیق نہیں۔

ہم ایسی دنیا میں رہتے ہیں جہاں ہمیں ذبح کیا جاتا ہے' گھروں سے نکالا جاتا ہے' بے عزت کیا جاتا ہے اور جب ہم احتجاج کرتے ہیں تو الٹا ہم ہی پہ الزام آتا ہے کہ تم دہشت گرد ہو' انتہا پسند ہو' اور جمہوری اور آئینی طریقے کے بجائے قوت استعمال کرتے ہو۔

مغرب کی کوشش ہے کہ ہمیں آپس میں لڑائے۔ کہیں فرقوں کی بنیاد پر' کہیں نسل اور زبان کی بنیاد پر' ٹکڑے ٹکڑے کرے۔ ترکوں کو کردوں سے' فارسی بولنے والوں کو پشتو بولنے والوں سے' بلوچوں کو پٹھانوں سے' عراقیوں کو کویتیوں سے لڑائے۔ افغانستان میں تاجک' پختون اور ازبک کا جھگڑا پیدا کرے' پاکستانیوں کو سندھی' پنجابی' بلوچی' پشتون اور مہاجر بنا دے۔

یہ ظلم ہے۔ اس ظلم سے نجات کا صرف ایک طریقہ ہے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں' اپنے موقف کو بہترین الفاظ اور حسن عمل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

مسلمان بظاہر مغلوب ہیں اور شکست سے دوچار ہیں' لیکن مغرب کی پریشانی میں کمی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر تک اسلام سے محبت کے مظاہر دیکھتے ہیں۔ قناعت کی زندگی گزارنے کا عملی ثبوت' جہاد میں سب کچھ لگا دینے کی عملی شہادت' اور میدان میں موت پانے کی تمنا' مفلوک الحال مسلمانوں کی متاع دنیا سے بے نیازی اور میدان جنگ میں بے جگری کے مناظر دیکھ کر انھیں خوف آتا ہے۔ تمام مخالفانہ پروپیگنڈے کے علی الرغم' خود یورپ کے دل میں اسلام کا فروغ ان کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا ہے۔ ان کے اپنے مستقبل کے تخمینے بتاتے ہیں کہ آیندہ ۳۰ سال میں دنیا کا سب سے بڑا مذہب اسلام ہو گا۔

میں اہل یورپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام سے مت ڈرو۔ اسلام خطرہ نہیں' یہ تو سب کے لیے امن اور سلامتی کا پیغام ہے۔ یہ اس طمانیت' سکون اور لازوال راحت کا پیغام ہے جس کی مغربی معاشروں میں دولت و ثروت کے پجاریوں کو اشد ضرورت ہے۔ وہ یورپ جہاں معیار زندگی اپنی معراج کو چھو رہا ہے' لیکن جہاں دنیا کی تمام مادی نعمتوں کے حصول کے بعد بھی انسانی روح حقیقی

راحت اور دائمی خوشی سے محروم ہے۔

مختلف جغرافیائی خطوں سے آئے ہوئے مختلف زبانیں بولنے والے میرے دوستو! تم سب ایک ہو، یہ اختلاف رنگ و نسل و زبان بے معنی ہے۔ دین سے وابستگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے درمیان اصل قدر مشترک ہے۔ نبیؐ کی زندگی ہمارے لیے مثال ہے، مشعل راہ ہے۔ انھوں نے انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے جاں گسل تگ و دو کی، انھوں نے رھبانیت اختیار نہیں کی۔ ہمیں بھی قوت پیدا کرنا ہے، مال و جان کی قربانی دینا ہے، اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دشمن کے ہاتھ سے چھیننا ہے۔ کل روئے زمین کو اللہ نے اپنے نبیؐ کے لیے مسجد قرار دیا ہے۔ آج ہمارے آقا و مولاؐ کی مسجد باغیوں کے قبضے میں ہے۔ اس کو واگزار کرانا ہے، اس پر اللہ کا حکم استوار کرنا ہے۔ انسانیت کو خدا کی طرف بلانے کا یہ مشن کار نبوت ہے۔ جو اس مشن کو اپنا مشن قرار دے گا، وہ کار نبوت میں معاون بنے گا، اور جو نبی کا معاون ہو گا وہ خدا کی معیت کا حقدار ہے۔ اللہ اس کا حامی و ناصر، محافظ و نگہبان ہو گا۔ یہ جہاد ہی اس امت کی رھبانیت ہے۔ اس مضمون کو ہمارے قومی شاعر حضرت علامہ اقبال نے مثنوی 'پس چہ باید کرد' میں بعنوان 'فقر' یوں باندھا ہے:

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں مسجدِ من ایں ہمہ روئے زمیں
الاماں از گردشِ نہ آسماں مسجدِ مومن بدست دیگراں
سخت کوشد مومن پاکیزہ کیش تا بگیرد مسجدِ مولائے خویش
اے کہ از ترکِ جہاں گوئی مگو ترک ایں دیرِ کہن تسخیرِ او

(سلطان دین یعنی نبی پاکؐ نے مومنوں سے فرمایا کہ میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نو آسمانوں کی گردش سے بچائے، مومن کی مسجد دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔ اے پاک طینت انسان تجھے سخت کوشش کرنی چاہیے تاکہ تو اپنے آقاؐ کی مسجد (واپس) لے سکے۔ اے وہ شخص جو ترک دنیا کی بات کرتا ہے، ایسا نہ کہہ، اس پرانے بت کدے کے ترک کا مطلب اس کی تسخیر ہے)۔

ہمارے ملک کے گلی کوچے نوجوانوں سے بھرے پڑے ہیں، معدنی اور قدرتی وسائل کی کوئی کمی نہیں، مگر دشمن نے ہمیں پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ آیئے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، ایک امت بن جائیں، اور اللہ کا کلمہ بلند کریں، جیسا کہ ہمارے قومی شاعر اقبال کہتے ہیں کہ ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و ازیک شاخساریم

تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم
(پیام مشرق)

(ہم نہ انسان ہیں' نہ ترک نہ تاتار- ہم ایک ہی چمن اور ایک ہی شاخ کے پھول ہیں' ہمارے اوپر رنگ و بو کی بنیاد پر فرق حرام ہے- اس لیے کہ ہم ایک ہی نوبہار کے پروردہ ہیں)-

نبی ؐ کی سیرت طیبہ کا عظیم درس صبر کا درس ہے- صبر کے معنی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا نہیں ہے- مکی دور میں صبر خوف کا انکار تھا' صبر ڈٹ جانے کا نام تھا' ڈر کر گھر بیٹھنے کا نام نہیں تھا- مدینہ منورہ میں 'صبر کی کچھ اور صورت تھی- یہود کے ساتھ صلح کے معاہدے بھی کیے گئے' منافقین کو بھی برداشت کیا جاتا رہا' اٹھائیس غزوات میں نبی رحمت ؐ نے خود شرکت فرمائی- اقامت دین صبر کے بغیر ممکن نہیں- کبھی دلیل کی قوت کا سہارا لینا پڑتا ہے' کبھی خنجر آزما ہونا پڑتا ہے-

دو صدیاں پہلے مسلمانوں کی سلطنت ختم ہو گئی- ہم پہلو جہاد سرد پڑ گیا- علم و تحقیق کی بساط لپٹ دی گئی- ادھر یورپ علم میں' تحقیق میں' انتظام میں بازی لے گیا اور شکست خوردگی نے ہمارے اندر یاسیت کو جنم دیا' ہم نے جہاد اور اجتہاد سے منہ موڑا' امت تقلید اور رہبانیت میں سکون پانے لگی- ہمارے دشمن حکمرانوں نے بھی ہمیں ذکر و فکر صبح گاہی میں مست رکھنا چاہا- صبر' استقامت' جہد مسلسل قصہ پارینہ ہوئے- لیکن نبی ؐ آخری ست ختم ہونے کے لیے نہیں ہے- ان کا پیغام رہتی دنیا تک مایوس دلوں کو امید کی روشنی دکھاتا رہے گا- ہمارے آقا و مولا ؐ نے دنیا کو ترک نہیں کیا بلکہ دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولا اور آج بھی آپ ؐ کے نام پر مر مٹنے میں زندگی کا راز پنہاں ہے-

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است
در شبستان حرا خلوت گزید قوم و آئین و حکومت آفرید
از کلید دیں در دنیا کشاد ہمچو او بطن ام گیتی نہ زاد

(حضور ؐ کا مقام مسلمان کے دل میں ہے- انھی کے نام سے ہماری آبرو ہے' آپ ؐ نے شبستان حرا میں خلوت اختیار کی اور (ایک نئی) ملت' نیا آئین اور (نئے انداز کی) حکومت عطا کی- آپ ؐ نے دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولا' زمانے کے بطن سے آپ ؐ جیسا کوئی اور پیدا نہ ہوا)

اگرچہ ملت کفر اسلام کو مٹانے کے لیے جمع ہو رہی ہے' لیکن دوسری طرف ملت اسلامیہ میں بیداری کی لہریں اٹھ رہی ہیں- بوسنیا میں مسلمان ہتھیار نہیں ڈال رہا' چیچنیا نے روس کو ناکوں چنے چبوا دیے ہیں' لاکھوں مسلمانوں کو جہاد افغانستان کے نتیجے میں کمیونسٹ غلبہ سے نجات ملی ہے- تمام

سیکولر حکومتوں پر لرزہ طاری ہے۔ اسلام کے متوالے ہر جگہ قربانی دے رہے ہیں۔ سوڈان، یمن، ترکی، ایران اور ملیشیا اور دیگر ممالک میں اسلام اور نبی پاک ؐ سے محبت رکھنے والے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اسلام ہماری ترقی کا پہلے بھی ضامن رہا ہے آیندہ بھی یہی ضامن ہے۔ اور میری آنکھیں مستقبل قریب میں امت مسلمہ کا عروج دیکھ رہی ہیں۔ اور میں اقبال کے الفاظ میں اس نوید پر اپنی بات ختم کرتا ہوں ؂

عطا مومن کو درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کمیابی
(بانگ درا)

(یہ تقریر برلن، جرمنی میں (جون ۹۵) مسلمانوں کی ۲۲ مقامی تنظیموں کے رہنماؤں کے ایک اجلاس میں کی گئی) (مرتبہ: طیب ابو عادل)

مِلّتِ اسلامیہ: اکیسویں صدی کی دہلیز پر!

پروفیسر خورشید احمد

بیسویں صدی اپنی انتہا کی طرف تیزی سے پیش قدمی کر رہی ہے۔ اس صدی کا آغاز اس حال میں ہوا تھا کہ مغربی سامراج کا سورج نصف النہار پر تھا۔ مشین اور بھاپ کی قوت کا خمار، صنعتی انقلاب، انقلاب فرانس، امریکہ کی آزادی اور ترقی، یورپی اقوام کا تقریباً پوری دنیا پر غلبہ، عسکری میدان میں مغربی اقوام کے ناقابل شکست ہونے کا زعم غرض پوری دنیا اور خصوصیت سے عالم اسلام، جو مغرب کے جدید استیلا سے پہلے انیسویں صدی کے آغاز تک ایک عالمی قوت تھا، بیسویں صدی کی پہلی ہی چوتھائی میں یورپ کی استعماری طاقتوں کی پوری گرفت میں آ چکا تھا۔ برطانوی سامراج دنیا کے ایک چوتھائی حصہ پر حکمران تھا جس میں مسلم دنیا کا بڑا حصہ بھی شامل تھا اور اسے یہ زعم تھا کہ نہ صرف برطانیہ دنیا کے سمندروں کی لہروں پر حکمران ہے بلکہ اس کا اقتدار اتنا وسیع اور اتنا گھمبیر ہے کہ اس میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ فرانس بھی افریقہ کے ایک تہائی حصہ پر اور مشرق بعید کے متعدد علاقوں پر اپنا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اٹلی، اسپین اور پرتگال تک دنیا کے مختلف علاقوں پر قابض تھے اور یہ سب تمام دنیا کے وسائل کو اپنی معاشی، سیاسی اور تہذیبی قوت کو مستحکم کرنے اور ترقی دینے کے لیے گارے اور چونے کی طرح استعمال کر رہے تھے۔ اسی طرح وسط ایشیا میں روسی استعمار نے زار کی قیادت میں، اسلامی تہذیب و تمدن کے اس عظیم گہوارہ کو اپنے شکنجے میں کس لیا تھا، کہیں مسلمان حکمرانوں اور سرداریوں (khanates) کو مکمل طور پر سرنگوں کر کے اور کہیں انھیں اپنا باجگزار بنا کر۔

مغربی استعمار کے سیاہ بادل پوری ملت اسلامیہ پر چھا گئے تھے اور چار سو تاریکی ہی تاریکی تھی۔ ترکی جو کبھی دولت عثمانیہ کی عالمی قوت و سلطنت کی علامت تھا اور جس کا سکہ مراکش سے لے کر وسطی یورپ تک چلتا تھا، اب یورپ کا "مردِ بیمار" تھا۔ جنگ ہائے بلقان اور پہلی عالمی جنگ کی شکست نے اسے پسپائی پر مجبور کیا اور اس کی حکمرانی کا دائرہ تنگ ہوتے ہوتے اناطولیہ اور اس کے قرب و جوار تک محدود ہو گیا۔ اس مختصر دنیا میں بھی اسے اپنی بقا کی آخری جنگ لڑنی پڑی جس کے نتیجے میں کمالزم کی شکل میں اسے سیکولرزم کی قبا پہننی پڑی اور خلافت کی عبا کو تار تار کر کے اس نے بس اپنے سیاسی اور

جغرافیائی وجود کو بچالیا ۔ گو اس عمل میں اس کی دینی اور تہذیبی روح پراگندہ اور پژمردہ ہوگئی۔
مشرق وسطیٰ میں سامراجی نقشہ گروں نے اور ہی قیامت ڈھائی۔ عرب قومیت اور ذاتی اقتدار اور شان و شوکت کا جو سبز باغ برطانوی اور فرانسیسی بازی گروں نے زار روس کے مشورہ سے مشرق وسطیٰ کے مختلف علاقوں کی قیادتوں کو دکھایا وہ بالآخر قفس کی نئی زنجیروں کی شکل میں صورت پذیر ہوا۔ سائیکس ۔ پی کوٹ معاہدہ (Sykes - Picot Agreement 1916) اور اعلان بالفور (Balfour Declaration 1917) کے مطابق مشرق وسطیٰ کا نیا نقشہ مرتب ہوا اور ایک درجن سے زیادہ 'نیم جان' بے وقار اور یورپی اقوام کی دست نگر "ریاستیں" سیاسی نقشہ پر نمودار ہوئیں۔
اس طرح نہ صرف یہ کہ شرق اوسط کے حصے بخرے ہو گئے اور "اسرائیل" کی صیہونی ریاست کے قیام کے لیے زمین ہموار ہوئی جسے بالآخر اقوام متحدہ کی قرارداد کے ذریعے امریکہ' برطانیہ اور روس کی ملی بھگت سے ۱۹۴۸ء میں مسلم دنیا کے سینے میں ایک خنجر کی شکل میں گھونپ دیا گیا اور اس طرح وہ تمام خاندان اور قیادتیں جو دولت عثمانیہ کے مقابلہ میں اٹھائی گئی تھیں اور جو اپنی "آزادی" اور "اقتدار" کا خواب دیکھ رہی تھیں ایک نئے سامراجی جال میں پھنس گئیں۔
مسلمان جو تقریباً ساڑھے بارہ سو سال تک ایک عظیم عالمی قوت تھے اپنی تاریخ میں پہلی بار عالمی قوت سے مکمل طور پر محروم ہو گئے اور چار نیم آزاد ملکوں (افغانستان' ترکی' یمن اور جزیرۃ العرب) کے سوا اس سیاسی قوت اور عالمی سطوت کا کوئی نشان باقی نہ رہا جو امت مسلمہ کا طرہ امتیاز تھا۔
یہ تھے وہ حالات جن میں ملت اسلامیہ نے بیسویں صدی میں اپنے سفر کا آغاز کیا۔

آج جب ہم پچھلے سو سال پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اس وقت عالم اسلام میں زندگی کی جو نئی لہر دوڑ رہی ہے اور مستقبل کی تعمیر کے لیے جو ہمہ گیر جدوجہد برپا ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں تو بے اختیار زبان سے نکلتا ہے وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (آل عمران ۳: ۵۴) بے شک وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنے منصوبہ کو بروئے کار لا رہا تھا اور اللہ ہی بہترین منصوبہ ساز ہے!
عالمی سامراجی قوتوں نے تو منصوبہ یہ بنایا تھا کہ اب ملت اسلامیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غیر موثر بنا دیا جائے گا۔ ماضی میں اگر یہ ملت ایک محاذ پر کمزور ہوئی تو ہمیشہ کسی دوسرے محاذ پر اس نے نئی قوت کا مظاہرہ کیا۔ اگر بغداد تخت و تاراج ہوا تب بھی مسلمان اسپین اور افریقہ میں غالب قوت تھے' اگر عربوں کی قوت ٹوٹی تو وسط ایشیا کی اقوام اسلام کا پرچم لے کر آگے بڑھیں' اگر دولت ہسپانیہ ریزہ ریزہ ہوئی اور قرطبہ اور غرناطہ دشمنوں کے آگے سرنگوں ہوئے تو بازنطینی سلطنت کی قوت مسلمانوں کے ہاتھوں پاش پاش ہوئی' قسطنطنیہ پر ہلالی پرچم لہرایا اور وہ دولت عثمانیہ کا مرکز اور اسلام کا گھر (اسلام بول

استنبول) بنا۔ ایشیا اور افریقہ میں اسلام کو نئی وسعتیں ملیں اور اس کا پرچم سربلند رہا۔ یہ تاریخی روایت اگر کہیں ٹوٹی تو وہ دورِ حاضر ہے جس میں کسی ایک مقام پر نہیں' یا کسی ایک میدان میں نہیں' بلکہ تقریباً ہر میدان میں غیرمسلم اقوام کو امت مسلمہ پر غلبہ حاصل ہوگیا اور تاریکی اپنی آخری حدوں کو چھوگئی۔ لیکن جس طرح رات کے بطن سے صبح نمودار ہوتی ہے اسی طرح اللہ کی مشیت سے گزشتہ پچاس سال میں امت مسلمہ اس پستی اور محکومی سے نکل کر دوبارہ اپنے عالمی رول کی بازیافت کا سفر شروع کر چکی ہے۔

مسلمان اس وقت دنیا کی آبادی کا تقریباً ۲۲ فی صد ہیں یعنی ایک ارب اور تیس کروڑ۔ ان میں سے ۹۰ کروڑ ان ۵۲ آزاد مملکتوں میں رہ رہے ہیں جو اب اقوام متحدہ اور آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس (OIC) کا حصہ ہیں اور تقریباً ۴۰ کروڑ دنیا کے باقی علاقوں میں ہیں' لیکن اس شان کے ساتھ کہ صرف ایک ملک یعنی ہندوستان میں مسلمان ۱۵ کروڑ سے زیادہ ہیں۔ آج دنیا کا کوئی ملک یا حصہ ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان موجود نہ ہوں' بلکہ یورپ اور امریکہ کے ان ممالک میں بھی جہاں ماضی میں کبھی مسلمانوں کی کوئی معتدبہ تعداد نہ تھی' آج مسلمان آبادی کا ایک واضح حصہ ہیں۔ عالمی انتقالِ آبادی کے نتیجہ میں اہلِ اسلام ان مقامات پر بھی پہنچ گئے ہیں جو صدیوں سے دعوتِ اسلام سے محروم تھے۔ مسلمانوں کی یہ عددی پوزیشن اور اس کا جغرافیائی محلِ وقوع ملتِ اسلامیہ کی عالمی حیثیت کا ایک اہم مظہر ہے۔

پھر اگر ان آزاد علاقوں پر جغرافیائی اور سیاسی حکمت عملی (Geo-Strategic) کے نقطہ نظر سے نگاہ ڈالی جائے جہاں مسلمانوں کو سیاسی اقتدار حاصل ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا کا تقریباً ایک چوتھائی علاقہ مسلمانوں کے زیر حکمرانی ہے۔ جو ایک طرف مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور قازقستان سے لے کر ترکی اور بوسنیا تک محیط ہے۔ یہ دو بڑے بڑے جغرافیائی علاقوں پر مشتمل ہے۔ افریقہ میں مسلمانوں کو ملکوں اور آبادی دونوں اعتبار سے اکثریت حاصل ہے۔ مراکش' سینگال سے لے کر پاکستان اور وسط ایشیا تک ایک عظیم سلسلہ ہے اور بنگلہ دیش سے انڈونیشیا تک دوسرا اہم خطہ ہے۔ سمندری' بری اور ہوائی رابطہ اور سفر کے ہر راستہ میں اس علاقے کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ بحیرہ روم ایک مسلم جھیل کی مانند ہے' بحراحمر اور بحرکیپین مسلم ممالک کی آغوش میں ہیں۔ بحرہند اور بحر اوقیانوس مسلم ساحلوں سے ہم کنار ہیں۔ درہ دانیال' سویز' پورٹ سعید' جبوتی اور عدن دنیا کے اہم ترین سمندری دروازے ہیں جن پر مسلمان ممالک کو تسلط حاصل ہے۔ زرعی وسائل' معدنی دولت' تیل' بجلی' کوئلہ' لوہا' یورینیم' ٹن' ربر' تانبہ' غرض جس اہم دھات کی ضرورت ہو وہ مسلم دنیا کے کسی نہ کسی علاقے میں موجود ہے۔ تعلیم اور معاشی اور سماجی ہیکل اجتماعی (infra-structure) کے اعتبار

سے بھی مسلم ممالک میں سے کم از کم ایک چوتھائی اس مقام پر ہیں جہاں وہ نہ صرف یہ کہ اجتماعی خود کفالت حاصل کر سکتے ہیں بلکہ باقی مسلم ممالک کی معاشی اور سائنسی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ترکی آج ایف -۱۶ بنا رہا ہے' الجزائر' مصر' ایران' ترکی' پاکستان' بنگلہ دیش' ملیشیا اور قازقستان معاشی ترقی کے اس مقام پر ہیں جہاں وہ اپنے وسائل سے اپنی اور باقی مسلم دنیا کی ترقی کا سامان کر سکتے ہیں۔ پاکستان نے ایٹمی توانائی کے میدان میں مغربی ممالک کی مخالفت اور عدم تعاون کے باوجود سات سے آٹھ سال میں وہ کچھ حاصل کر لیا جو خود مغربی اقوام نے اس سے دوگنے وقت میں حاصل کیا تھا۔ ۱۹۷۲ اور پھر ۱۹۸۰ میں تیل کی قیمتوں میں جو تبدیلی آئی اس نے دنیا کے معاشی توازن قوت کو مسلم ممالک کے حق میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان ممالک کی قیادت اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے اس عظیم قوت سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکی لیکن یہ امر ناقابل انکار ہے کہ اب عالمی معاشی توازن قوت میں امت مسلمہ کو ایک مرکزی اور بھاری حیثیت حاصل ہے جسے کوئی نظرانداز نہیں کر سکتا۔

بات صرف انسانی' سیاسی اور معاشی قوت ہی کی نہیں ۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اس تبدیلی کے لانے میں سب سے اہم عنصر امت مسلمہ کی اپنے دینی اور نظریاتی وجود کی شناخت ہے۔ یہ صدی احیائے اسلام کی صدی ہے۔ سیاسی اور معاشی پہلو تو اس کے صرف ایک جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب پستی اپنے انتہا کو پہنچی تو اس نے امت اور اس کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کو اس سوال پر غور کرنے پر آمادہ کیا کہ ہمارا یہ زوال کیوں واقع ہوا ہے اور امت دوبارہ کیسے اٹھ سکتی ہے؟

دشمنوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے محکوم کرنے اور ان کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں' قوموں اور قومیتوں میں تقسیم کر کے نیز ان پر سیکولر نظام کو اوپر سے قوت کے ذریعے مسلط کر کے ' اقتدار کی کنجیاں ایک نئی سیکولر قیادت کو سونپ کر اور عالم اسلام میں مغرب کے سیاسی' معاشی' تعلیمی اور تہذیبی اداروں کو فروغ دے کر ہمیشہ کے لیے خاموش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اللہ کی مشیت کچھ اور ہی تھی۔ پستی اور محرومی کی یہ انتہا ایک تازیانہ بن گئی۔ موڈرنزم اور لبرلزم کی آندھیاں بھی ایمان کی اس شمع کو نہ بجھا سکیں جو ملت کے سینہ میں روشن تھی۔ محکومی کی آخری تہہ کو چھونے کے بعد ملت نے پھر بیداری کی کروٹ لی اور نشاۃ ثانیہ کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹی۔ اللہ کے چند برگزیدہ بندوں نے اسے پھر اپنی تاریخی بنیاد پر تعمیر نو کی دعوت دی' اللہ سے جڑنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو تھامنے کے لیے پکارا۔ قرآن اور حدیث کو رہنمائی کا مرکز اور منبع بنانے کی تحریک کی ' غلامی کی زنجیروں کو توڑنے اور شریعت کی بالادستی کے لیے اجتہاد اور جہاد کے راستہ کی طرف بلایا' اسباب زوال کی نشاندہی کی' مغرب کے فکری طلسم کا پردہ چاک کیا' اس کی قوت کے اصل راز کی نشاندہی کی اور اس کے ذریعہ رونما ہونے والے تہذیبی' نظریاتی اور اخلاقی بگاڑ سے

بھی آگاہ کیا اور دین پر مبنی ترقی اور خود انحصاری کی راہ کی نشاندہی کی اور ایک بار پھر تاریخ یہ گواہی دینے لگی کہ:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا، جتنا کہ دبا دیں گے

آج احیائے اسلام کی عالمی رو کے دو نمایاں پہلو نظر آتے ہیں۔ ایک اس کا وسیع ترین اظہار ہے جو سیاسی آزادی، معاشی ترقی، تعلیمی فروغ، مغرب کے خلاف ثقافتی بے زاری، مسلم ممالک میں اتحاد اور تعاون کو نئی راہوں کی تلاش، عالمی سطح پر نئے سیاسی اور معاشی اداروں کا قیام جیسے آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس (OIC)، اسلامی ترقیاتی بنک، اسلامی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، بین الاقوامی اسلامی جامعات (اسلام آباد، کوالالمپور، نائجر، یوگنڈا وغیرہ)، اسلامی بنکوں کا عالمی اتحاق (۱.۵ بلاسودی بنک جس کا کل اثاثہ ۸۰ بلین ڈالر سے متجاوز ہے) المجمع الفقه الاسلامی اور اسی نوعیت کے دسیوں اداروں کی صورت میں ہو رہا ہے جو امت کے اتحاد اور نظریاتی بیداری کی علامت ہیں۔

دوسری طرف اس وسیع تر احیا کی پشت پر جو اصل فکری اور دعوتی قوت ہے، وہ اس جہاز کے لیے لنگر کی حیثیت رکھتی ہے، اسے بھی سمجھنا بہت ضروری ہے۔ یہی وہ قوت ہے جس نے گزشتہ سو سال میں نظریاتی اور تہذیبی نقشہ کو تبدیل کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید کی دعوت جہاد نے، بنگال میں حاجی شریعت اللہ کی فرائضی تحریک نے اور پھر الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد علی جوہر نے فکری، اخلاقی، تہذیبی اور بالآخر سیاسی محاذوں پر مسلمانوں کو ایک بار پھر سرگرم عمل کر دیا۔ اور احیائی تحریک علامہ محمد اقبال اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی علمی اور فکری مساعی اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں تحریک پاکستان کی شکل میں ملک گیر سیاسی تحریک کے ذریعہ ایک نئے فراز سے ہم کنار ہوئی اور بالآخر ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت اسلام کے نام پر قائم ہوئی۔

تجدید و احیا کی یہ تحریک پورے عالم اسلام میں مختلف رنگوں میں اور مختلف ناموں سے رونما ہوئی۔ سامراج سے آزادی کی جنگ ہر جگہ لڑی گئی اور اس کا اولین محرک اسلام اور مسلمانوں کے اسلامی تشخص کی حفاظت اور ترقی تھا۔ گو بظاہر یہ جنگ قومیت کے نام پر بھی لڑی گئی لیکن اس حقیقت کے دوست اور دشمن دونوں معترف ہیں کہ اسلامی دنیا میں قومیت کے پیچھے اصل کار فرما روح اسلام اور صرف اسلام تھا۔ مشہور مستشرق پروفیسر کینٹول اسمتھ نے اپنی کتاب "اسلام ان موڈرن ہسٹری"
(Islam in Modern History, Princeton University Press 1957, p 77)

میں اس امر کا صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ: "دنیا کے کسی بھی علاقہ میں مسلمانوں نے قومیت کے کسی ایسے تصور کو قبول نہیں کیا ہے جس میں وفاداری کا مرکز و محور اسلام کی حدود سے باہر کوئی ہئیت ہو"۔ نیز یہ کہ "(جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے) ماضی میں صرف اور صرف اسلام ہی وہ قوت ہے جس نے اس قوم کو: سپلن، قوت اور امنگ اور آدرش فراہم کیا ہے"۔

عرب دنیامیں جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، محمد رشید رضا اور بالآخر اخوان المسلمون کے بانی امام حسن البناشہید نے احیائی تحریک کی قیادت اور آبیاری کی، ترکی میں سعید نورسی، عدنان مندریس اور نجم الدین اربکان نے سیکولرزم کی خاک میں دبی ہوئی امت مسلمہ کی چنگاری کو ایک روشن تحریک کی شکل میں زندہ کیا۔ شمالی افریقہ میں عبدالقادر الجزائری، احمد بادیس، ابراہیم الجزائری، سنوسی، مالک بن نبی اور آج عباس مدنی، احمد باناج اور راشد غنوشی نے اسلامی احیائی تحریک کو نئی بلندیوں سے روشناس کیا۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی اور اس کے بعد انصار اور اخوان المسلمون نے زندگی کی لہر دوڑائی اور آج ڈاکٹر حسن ترابی کی مجاہدانہ قیادت میں سوڈان ایک منفرد تجربہ میں مصروف ہے۔ ایران میں امام خمینی، آیت اللہ منتظری، آیت اللہ طلیقانی، اور ڈاکٹر علی شریعتی کی دینی اور عوامی تحریک نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

تحریک اسلامی کا اساسی کام اور عمومی اسلامی احیا کی عالمگیر لہر - یہ ہے وہ قوت جو امت مسلمہ کے مستقبل کی تعمیر کر رہی ہے۔ بلاشبہ یہ دور کشمکش کا دور ہے اور اس کشمکش کے نتیجہ میں ایک نیا دور وجود میں آنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ لیکن مستقبل اس اسلامی احیائی تحریک کا ہے نہ کہ سامراج کی باقیات کا، جن کا مقدر آخری شکست ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج اسلام کو مغربی اقوام اور ان کے مقامی ہمنوا سب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہیں۔ امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن اور رونلڈ ریگان سے لے کر نیٹو کے سابق اور حالیہ سیکرٹری جنرل تک اور پالیسی ساز اداروں پر اثر انداز ہونے والے دانشوروں کی ایک فوج ظفر موج اس مہم پر لگی ہوئی ہے کہ اشتراکیت کے زوال کے بعد اسلام اور امت مسلمہ کے اسلامی احیا کو ایک خطرہ کے طور پر پیش کرے اور مغربی اقوام اور امت مسلمہ کو تصادم کی راہ پر ڈال دے۔ امریکہ میں اگر اوکلاہاما کے مقام پر دہشت گردی کا مظاہرہ ہوتا ہے تو بلاتحقیق اسے اسلام کے نام لگا دیا جاتا ہے۔ بوسنیا میں مسلمان اکثریت والی حکومت کو اس لیے گوارا نہیں کیا جا سکتا کہ اس طرح یورپ کے قلب میں ایک مسلمان ریاست وجود میں آجائے گی۔ اسرائیل سے جبری صلح کے لیے سارے حربے استعمال ہو رہے ہیں اور عرب دنیا کی منڈیوں کو اسرائیل کے سرمایے اور مصنوعات کے لیے کھولنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ جہاد افغانستان کے نتیجے میں مشرقی یورپ کی اقوام آزاد ہوئیں، برلن کی دیوار گر گئی، روس ایک عالمی قوت کے مقام سے گر کر مغربی اقوام اور ورلڈ بنک کا مقروض بن گیا،

وسط ایشیائی مسلمان ریاستیں آزاد ہوگئیں اور اشتراکیت کا عالمی بت ٹوٹ پھوٹ گیا لیکن خود افغانستان کے لوگوں کو اس جہاد کے ثمرات سے محروم رکھا جا رہا ہے اور وہی مسلمان جو کل مجاہد تھے آج "فنڈامنٹلسٹ" بن گئے ہیں اور وہی "عرب افغان" جو کل آنکھ کا تارا تھے' آج ان کے وجود کو خطرہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور خود عرب ملک ان کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ جمہوریت کا درس دیا جاتا ہے مگر الجزائر میں اسلامی تحریک کو اگر جمہوری ذرائع سے کامیابی حاصل ہوتی ہے تو قوت سے اس کا راستہ روک دیا جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک نادیدہ اور تصوراتی "خطرہ" کے پیش نظر!

امت مسلمہ کا مغرب کی اقوام کے ساتھ کوئی علاقائی جھگڑا نہیں۔ یہ امت صرف یہ حق مانگ رہی ہے کہ اسلامی دنیا میں اپنے عقیدہ' تہذیب اور تاریخ کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کرے۔ وہ اپنے گھر کی اصلاح کو اپنا پہلا اور اصل ہدف قرار دیتی ہے لیکن اس تعمیرِ نو کو مغرب ایک خطرہ بنا کر پیش کر رہا ہے   آخر کیوں؟

ہماری نگاہ میں اس کی اصل وجہ اسلام کے بارے میں علم کی کمی اور تعصب کی عینک کے علاوہ مغرب کا یہ احساس بھی ہے کہ اس کے پاس اب انسانیت کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ سیکولر تہذیب کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے۔ مغربی تہذیب نے چار پانچ سو سال تک دنیا پر حکمرانی کی ہے لیکن وہ ایک منصفانہ اور مبنی برحق نظام قائم نہیں کر سکی۔ اس نے مشینی دنیا میں تو بے پناہ ترقی کی اور معاشی دولت کے بھی انبار لگا لیے لیکن انسانی زندگی کو خیر' سکون' انصاف اور امن و آشتی سے مالا مال نہ کر سکی۔ آج بھی دنیا کی آبادی کا ایک چوتھائی' دو وقت کی روٹی سے محروم ہے۔ خود مغربی ممالک میں غربت کا تناسب ۱۴ اور ۵ افیصدی پر پہنچ گیا ہے۔ اور اوسطاً بے روزگاری ۱۰فیصد سے زیادہ ہے۔ علم طب کے میدان میں ہوش ربا ترقی ہوئی ہے مگر نت نئی بیماریوں نے انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

خاندانی نظام درہم برہم ہے' نکاح سے باہر پیدا ہونے والی اولاد اب رشتہ ازدواج میں پیدا ہونے والے بچوں سے بڑھ گئی ہے اور ایک ماں باپ کے خاندان (single parent family) کا تناسب امریکہ میں اب ۵۰ فی صد اور یورپ میں ۳۰ فیصد تک پہنچ رہا ہے۔ جرائم کا طوفان ہے جو معاشرہ کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے اور نوجوان نسل خاص طور پر بے راہ روی کا شکار ہے۔ دولت کی فراوانی کے باوجود ذہنی بیماریاں اور خودکشی روز افزوں ہیں۔ اور فلسفہ تاریخ کے ماہر مضطرب ہیں کہ شاید یہ تہذیب اب اپنے آخری دورِ زوال کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے اور وہ تہذیب جس نے انسان کو ہواؤں میں پرندوں کی طرح اڑنا اور سمندروں میں مچھلیوں کی طرح تیرنا سکھایا' وہ اسے زمین میں انسانوں کی طرح رہنے کے لائق نہ بنا سکی۔ بقول اقبال ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

یہ مغرب کے دل کا چور ہے جو اسے اسلام اور اسلامی قوتوں سے خائف کر رہا ہے ورنہ عملاً اس وقت نہ مسلمان عسکری اعتبار سے اس کے لیے خطرہ ہیں اور نہ سیاسی یا معاشی اعتبار سے۔

جس میدان میں اصل مقابلہ ہے' وہ نظریاتی اور اخلاقی میدان ہے۔ یہاں مغرب اب ایک استعمال شدہ کارتوس کے مانند ہے جس کے پاس انسانیت کو دینے کے لیے کوئی نیا پیغام اور کوئی نیا نظام نہیں اور یہی وہ میدان ہے جس میں اسلام انسان کو اس غار سے نکال سکتا ہے جس میں مغربی تہذیب نے اسے ڈال دیا ہے۔ اسلام انسان کو ایک واضح آدرش' ایک پرکشش منزل اور مستقبل کی زندگی کا ایک روح پرور تصور دیتا ہے۔ اس نظریہ اور پیغام کو پھیلانے کے لیے نہ کبھی ماضی میں کسی تلوار کی قوت درکار تھی اور نہ آج کسی فوجی قوت کی حاجت ہے۔ یہ تو انسانوں کی روح کے لیے پیغام ہے۔ یہ تو اس خلا کو پر کرتا ہے جس میں آج انسان اپنے کو حیران و سرگرداں پاتا ہے۔ اور یہی چیز مغرب کے لیے اسلام کو خطرہ بنا رہی ہے' حالانکہ یہ تو ساری انسانیت کے لیے ایک پیغام رحمت ہے اور اس کا تعلق مشرق یا مغرب سے نہیں' پوری انسانیت سے ہے۔ کچھ عرصہ قبل لندن سے شائع ہونے والے مجلہ اکانومسٹ نے ۱۹۸۹ء میں اشتراکیت کے زوال اور دیوار برلن کے انہدام کی روشنی میں انسانیت کے ماضی اور مستقبل کا جائزہ لیا تھا اور اس میں اس بات کا خصوصیت سے ذکر کیا تھا: اشتراکیت کے سقوط سے یہ مفہوم نہیں نکالا جا سکتا کہ مغربی تہذیب کے پاس انسانیت کے لیے کوئی مثبت پیغام موجود ہے

اس خدشہ کا اس نے ذکر کیا تھا کہ اسلامی اور عیسائی بنیاد پرست یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس انسانیت کے لیے ایک نیا پیغام ہے!

اسلام انسانیت کے لیے جو پیغام دیتا ہے اسے خطرہ سمجھنا نہ صرف یہ کہ ایک شدید قسم کی نادانی ہے بلکہ یہ ایک قسم کی خودکشی ہوگی کہ جو پیغام انسانیت کو تباہی سے بچا سکتا ہے اور جو تحریک تاریخ کو ایک نئے دور سے روشناس کرا سکتی ہے' اسے اپنا دوست اور مشکل کشا سمجھنے کی بجائے خطرہ اور دشمن سمجھا جانے لگے۔

مغرب کے دانش وروں کو یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ جہاد قوت کے بے محابا استعمال کا نام نہیں ہے۔ جہاد تو انسانی زندگی کو ایک مثبت مقصدِ حیات کے حصول کے لیے ڈسپلن کرنے اور جدوجہد پر لگانے کا نام ہے۔ یہ تو ایک تعمیری قوت ہے جو انسانی زندگی کو اعلیٰ مقاصد حیات کی خدمت کے لیے

وقف کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے افغانستان کے نہتے مجاہدوں نے روسی استعمار کے دانت کھٹے کر دیے اور تاریخ کے رخ کو موڑ دیا' یہی وہ جذبہ ہے جس نے فلسطین میں انتفادہ کو جنم دیا اور اسرائیل کی ناقابل تسخیر قوت پر ایسی ضرب پڑی کہ اسے پی ایل او کی معاونت حاصل کرنے اور صلح اور مصالحت کی طرف آنا پڑا۔ یہی وہ قوت ہے جس نے کشمیر' تاجکستان اور شیشان میں سیکڑوں گنا زیادہ طاقتور مد مقابل کو بے اثر کر دیا۔ یہ ایک انسان ساز اور تاریخ گر قوت ہے۔ اسے ایک منفی قوت سمجھنا اور اسی انداز میں پیش کرنا انسانیت کی خدمت نہیں اس کے ساتھ ظلم ہے۔

امریکہ آج دنیا کی سب سے بڑی عسکری قوت ہے۔ معاشی اعتبار سے بھی' دنیا کی آبادی کا صرف ۶ فی صدی رکھنے کے باوجود وہ دنیا کی معیشت کے ۲۵ فی صدی کی مالک ہے۔ لیکن اس کے باوصف وہ ویت نام کے عام انسانوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور جب ۵۰ ہزار کے قریب اس کے فوجی ہلاک ہوئے تو اس نے پسپائی کو ترجیح دی۔ خلیج کی جنگ میں امریکہ اور اس کے ۲۹ حلیف ممالک نے بہترین ٹیکنالوجی کے باوجود ایک کمزور حریف کے مقابلہ کے لیے امریکہ نے اپنی کل عالمی ہوائی Tactical قوت کا ۷۰ فی صدی اور کل ٹینک پاور کا ۴۰ فی صد استعمال کیا تاکہ انسانی جانی نقصان کم سے کم ہو ورنہ اس کے منصوبہ سازوں کا اندازہ تھا کہ اگر دو ہزار جنازے (coffins) امریکہ پہنچے تو امریکہ کو اپنی فوجیں واپس بلانا ہوں گی۔ یہی صومالیہ میں ہوا کہ جب سوپر پاور کے ۲۳ فوجی ہلاک ہوئے تو اس نے اپنی فوج واپس بلانے کو ترجیح دی۔ مغربی اقوام کی محض عسکری قوت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اب وہ دنیا کو محض فوجی طاقت سے اپنے قابو میں رکھ سکتی ہیں۔ حالات بہت بدل گئے ہیں اور ایمان' اعلیٰ اخلاقی قوت اور جذبہ جہاد سے سرشار کسی امت کو غلام بنانا اور محکوم رکھنا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

ان حالات میں صاف نظر آ رہا ہے کہ اسلامی تحریک ہی ان شاء اللہ مستقبل کی صورت گری کرے گی۔ بلاشبہ ابھی اسے بڑے اہم مراحل طے کرنے ہیں۔ اسے اپنی اخلاقی' علمی اور عوامی قوت کو فروغ دینا ہے اور مسلمان ملکوں پر جو قیادت مغرب کے زیر اثر مسلط ہے اس سے نجات پانا ہے۔ جس وقت عوام اور قیادت ایک ہی نظریہ اور ایک ہی منزل کے لیے سرگرم عمل ہوں گے اور ہماری قوتیں باہم کشمکش کی جگہ نئی زندگی کی تعمیر اور تہذیبی میدان میں ایک نیے نمونہ اور مثال کو پیش کرنے کے لیے وقف ہوں گی تو حالات تیزی سے بدلیں گے۔ اس کے لیے ایمان' عزم اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس سے ان شاء اللہ امت اکیسویں صدی میں ایک نئے اور روشن مستقبل کی تعمیر کر سکے گی۔

تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست!

تحریکی لٹریچر کا مرکز

مکتبہ علوم اسلامیہ

9- صادق منزل، آرام باغ روڈ کراچی

فون: 215034، فیکس: 214113

مذاکرہ

سید مودودی اور جماعت کا کردار

ہم نے ملک کی معروف شخصیتوں کو 'پاکستان اور عالم اسلام میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ اور جماعت اسلامی کے فکری اور عملی کردار' پر اظہار خیال کی دعوت دی تھی۔ جو جواب موصول ہوئے' وہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔ تاخیر سے موصول ہونے والے جوابات آیندہ کسی شمارے میں پیش کیے جائیں گے۔ (مدیر)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

سابق چیرمین' بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ

تحریکِ اسلامی کا دائرۂ کار صرف اپنے ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ساری اسلامی دنیا پر محیط ہے۔ دنیا میں کوئی مسلمان ملک ایسا نہیں جہاں اسلامی نظام کے عملی نفاذ کے لیے تحریک نہ چل رہی ہو۔ اور جہاں بھی یہ تحریک اپنا وجود رکھتی ہے' اس کی سوچوں کے دھاروں کو 'جماعت اسلامی' کا لٹریچر فکر مہیا کر رہا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی بلاشک و شبہ نابغہ روزگار تھے۔ قدرت نے انھیں ایک مفکرانہ اور مجتہدانہ ذہن سے نوازا تھا اور انھیں جہاد بالقلم کی بے پناہ قوت عطا فرمائی تھی۔ انھوں نے قرآن حکیم اور حدیث شریف کے گہرے مطالعے کے ساتھ ساتھ امریکہ اور یورپ سے برآمد ہونے والے فلسفوں اور نظریوں کا بھی دقت نظر سے مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ اور پھر نہایت منطقی اور مدلل انداز میں اسلامی نظریہ و نظامِ حیات کو اجاگر کیا۔ اور ثابت کیا کہ اسلامی نظریہ یورپ کے نظریات۔ - سرمایہ داری' اشتراکیت' قومیت' نسیت' انسانیت وغیرہ --- کی افراط و تفریط اور تناقضات سے پاک ہے اور پورے کرۂ ارض اور بنی نوع انسان کے لیے سلامتی کا ضامن ہے۔ سید صاحب کے پاس الفاظ' دلائل' معلومات اور اسلامی افکار و اقدار کا ایک سمندر تھا جو ان کے قلم اور 'جماعت اسلامی' کے ذریعے

صفحات پر منتقل ہوتا رہا اور صفحات سے انسانی قلوب و صدور میں جاگزیں ہوتا رہا۔

یہ لٹریچر ہر اس زبان میں موجود ہے جو مسلمان ملکوں میں سمجھی 'بولی اور پڑھی جاتی ہے۔اس لٹریچر کی گرفت کے اثرات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ بیسویں صدی کے نامور اور سرکردہ مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریریں تحریک اسلامی کے لٹریچر کی روح ہیں۔ان تحریروں میں سادگی کے علاوہ بے پناہ دلائل کی قوت ہے جو قارئین اور کارکنان کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ پوری اسلامی دنیا کی اسلامی تحریکیں انھیں اپنا رہبر مانتی ہیں۔ہم جیسے کیسے بھی ہیں 'اسلامی دنیا پاکستان کو ہی اپنا پیش رو تصور کرتی ہے اور اسلام کی فکری قیادت پاکستان کے ہی حصہ میں آتی ہے۔

تحریک اسلامی کا محور و ہدف اصل یعنی قرآن و سنت کی جانب لوٹنا ہے۔یہی طاقت کا سرچشمہ ہیں اور انھی سے اسلام کا متحرک عمل آغاز پاتا ہے۔انھیں کسی طور بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ مقام افسوس ہے کہ اس فکر کو ہمارے ملک میں لسانی 'نسلی اور صوبائی عصبیتوں کے ذریعے فعال بننے نہیں دیا گیا۔اس لیے ہمارا پورا معاشرہ برادری ازم 'علاقہ ازم یا فرقہ پرستی میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انھی کی وجہ سے قوم کسی نصب العین کی طرف رخ نہیں کر رہی۔

قرآن و سنت پر مبنی اسلامی دعوت فکر کی جہتیں مختلف ہیں۔پہلی: فکری اور نظریاتی دعوت ' دوسری: اخلاقی اصلاح اور تنظیم 'تیسری: معاشرہ کی اخلاقی بنیادوں پر تشکیل جدید' چوتھی: سیاسی نظام کی اصلاح اور نئی قیادت کو ابھارنے کی بھرپور کوششیں-- پہلی تین جہتیں جس قدر کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہیں اتنی ہی چوتھی جہت توانائی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور صالح سیاست کی طرح ڈالی جا چکی ہے۔

تحریکِ اسلامی کی وجہ سے اسلامی دنیا مختلف چیلنجوں کا مقابلہ کر رہی ہے جس میں جذبے کی سچائی اور پُرعزم ولولے کی چھاپ صاف دکھائی دے رہی ہے۔خدا کرے تحریکِ اسلامی کے باعث اسلامی دنیا میں جلد از جلد زیادہ سے زیادہ اتحاد 'تنظیم اور یکجہتی پیدا ہو جائے' وہ اپنا آپ تلاش کرے اور دین و دنیا میں سربلند ہو کر پورے کرۂ ارض کے لیے ایک دفعہ پھر مشعلِ راہ بن سکے۔

جو ہو جائے جہدِ مسلسل سے واقف
وہی زندگی ہے فقط جاودانہ

بُشریٰ رحمٰن

مدیرہ 'وطن دوست' لاہور

اقبال نے ایک بار کہا تھا

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند

یہ بات انھوں نے دراصل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد--- ملی فکر و سوچ کے دروازے بند ہو جانے کے خوف سے کہی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد مسلمانوں کے اہل دانش اور بارسوخ طبقات دین سے بے بہرہ ہوتے گئے اور دیندار طبقہ مالی وسائل سے محروم ہوتا گیا۔ غیر مسلموں نے ایک سازش کے تحت مقتدر طبقات اور دیندار طبقات کے درمیان معنوی بُعد پیدا کر دیا۔ جو ہماری اجتماعی تنزلی کا باعث بھی بنا۔ علامہ اقبال نے ہی Power اور Vision کی شراکت کا فلسفہ بھی دیا کیونکہ اہل اقتدار بصیرت سے بے بہرہ ہوتے گئے اور اہلِ بصیرت کو اقتدار کے دائرے سے باہر رکھا جانے لگا۔ اس بات کا مداوا عہدِ حاضر کی جس عالی مرتبت شخصیت نے کیا وہ بلاشبہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تھے۔

معاشرے کے بااثر طبقات اور متلاشیانِ حق ان کی صدا پر کشاں کشاں ان کی طرف کھنچے چلے آئے اور وہ طبقاتی بعد جس نے برصغیر کے مسلمانوں کی ملی زندگی کو "اغیار" کی سازش کے تحت قالب بے روح بنا ڈالا تھا، اس کے اندر حیات نو کی حرارت بھڑک اٹھی اور پھر وہ جسد ملی قوت کا مظہر بن کر ابھرا۔

آج جبکہ الیکٹرانک میڈیا کے مختلف ذرائع ساری دنیا کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، لکھے ہوئے لفظ کی حرمت اپنی جگہ قائم ہے اور اگر اس لفظ میں کسی صاحب نظر، اور صاحب کمال ہستی کی شبوں کا گداز اور دنوں کا سوز بھی شامل ہو جائے تو اس لفظ یا اس تحریر کی تکریم اور اثر آفرینی آنے والی صدیوں پر بھی محیط ہو جاتی ہے۔

مولانا مودودی کی تحریر کا اعجاز یہ ہے کہ ایک قاری چند سطور پڑھتے ہی اسلام کی عظمت پر سر دھننے لگتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ قول و فعل کے تمام رموز سے آشنا ہو کر دین کو حکمت و دانائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ قاری ایک سوال کو ذہن میں لے کر ان کی تحریر کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اسے ازخود سیکڑوں، دوسرے، ذہن میں ابھرنے والے سوالات کے جواب ملتے جاتے ہیں۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ابلاغ دین متین کے تحریری و تقریری اسباق میں ان کا اسلوب مثالی اور اجتہادی ہے۔ ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگوں کو ان کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ غالباً ایک بار بروہی صاحب نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ "مولانا مودودی بڑے پائے کے ادیب بھی ہیں"۔ اگر عالم دین اور خطیب، ادیب بھی ہو تو یہ ایک طرفہ خوبی ہے، اس لیے کہ وہ انسانی نفسیات سے قریب تر گتھیاں سلجھانے کے اہل ہوتا ہے، جو بعض اوقات عقل و خرد کی بیوں اور پیچ دار تنگ راہوں میں اٹک جاتی ہیں۔ یہ نکتہ نئی نسل کے لیے بڑا پرکشش ہے کہ اسے جرأت سوال پیدا ہوتی ہے۔ جہاں جسارت سوال نہ ہو وہاں تجسس کی تمنا مر جاتی ہے۔ جستجو اجتہاد کا باب اول ہے۔ عالم اسلام پر مولانا کے بہت سے احسانات ہیں۔ انھوں نے دو بڑے طبقات کو قریب تر کیا یعنی Power اور Vision کو ایک ساتھ راہ نمائی مہیا کی

اور ساتھ ساتھ چلنے کا قرینہ عطا کیا--- وگرنہ تو علامہ والی بات ہی رہتی کہ---

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

خدائے پاک یہ مرتبہ جس مفسر قرآن کو دیتا ہے ' اسے حضرت مولانا مودودی کی طرح اپنے عہد کا کامل مزاج داں بھی بنا دیتا ہے - ان کی عظمتِ فکر 'فرقہ بندی 'گروہ سازی اور اختلاف مسالک سے بہت بلند تھی - تبلیغ دین میں یہ ایک قابلِ تقلید مثال ہے -

جنرل (ر) خالد محمود عارف

زندگی کی دوڑ روز اول سے شروع ہوئی اور اس وقت تک جاری رہے گی جب صور پھونک دیا جائے گا اور یہ کائنات 'بجز اپنے خالق کے 'تباہ ہو جائے گی - اس طویل سفر میں حصہ لینے والے اکثرو بیشتر انسان دار الفنا سے کوچ کرتے وقت چپ چاپ موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں اور ان کے نام و نشان مٹ جاتے ہیں -

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس دنیا کو خیرباد کہنے سے پہلے اپنے قدموں کے نقوش پیچھے چھوڑ جاتے ہیں 'جنھیں وقت کی آندھی مٹا نہیں پاتی - سید ابو الاعلیٰ مودودی ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کا نام ان کی کام کے حوالے سے زندہ رہے گا - مودودی صاحب کے انداز فکر سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر ان کے کردار اور ان کی گراں قدر خدمات پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی - یہ ان کی عظمت کی نشانی ہے - انھیں مذہبی معاملات پر مکمل عبور حاصل تھا - اس موضوع پر وہ جو کچھ رقم کر گئے ہیں اور جس احسن طریقہ سے انھوں نے اپنے خیالات 'احساسات اور جذبات کی ترجمانی کی ہے 'وہ انھی کا کمال ہے - یہ صدقہ جاریہ آنے والی نسلوں کو ان کی یاد دلاتا رہے گا -

ڈاکٹر رفیق احمد

ڈائرکٹر ساؤتھ ایشیا اسٹڈی سنٹر' جامعہ پنجاب 'لاہور

جہاں تک اسلامی نشاۃ ثانیہ کا تعلق ہے 'اس کی ابتدا گزشتہ صدی میں ہوئی تھی - اس سلسلہ کی پہلی کڑی جمال الدین افغانی تھے - انھوں نے مسلمانوں کی فکری تطہیر کا کام کیا 'پھر ان کے شاگرد اس میدان میں کام کرتے رہے - اسلامی نشاۃ ثانیہ کی اس تحریک میں علامہ اقبال کا کردار بھی بہت نمایاں ہے - مولانا ابو الاعلیٰ مودودی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھے -

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی خدمات کے دو پہلو ہیں: فکری اور عملی - ان کا فکری سرمایہ 'ان کا لٹریچر ہے جو دنیا کے سامنے ہے - عملی لحاظ سے ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی ہے - میرے خیال میں

مولانا کو جماعت اسلامی کے حوالے ہی سے دیکھنا' ان کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ یہ حوالہ انھیں محدود کر دیتا ہے' جب کہ وہ دنیائے اسلام کے بے مثال راہ نما ہیں۔ مولانا' مسلمانوں کا فکری سرمایہ ہیں۔ انھیں فقط جماعت تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔

اسلامی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد میں مولانا کا فکری کردار ان کا پیش کردہ اسلامی نظام حیات کا جامع تصور ہے جو مادی اور روحانی پہلوؤں کا حامل ہے۔ ان کے نزدیک بنیادی اسلامی اصولوں کے دائرے میں رہ کر مسائل کو جدید تقاضوں کے مطابق حل کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح وہ جدید زمانے کے ایک فقیہ نظر آتے ہیں۔ ان کی فکر کا دوسرا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ صاحبان اقتدار صالح ہوں اور قرآن و سنت کے پیرو ہوں۔ مولانا نے اصحاب اقتدار کے حوالے سے جو علمی مباحث پیش کیے ہیں' وہ ان کے افکار کا بہت نمایاں پہلو ہے۔

مولانا کے نزدیک جب تک اسلامی قیادت صالح افراد کے ہاتھ میں نہیں آتی اس وقت تک اسلامی انقلاب اور اسلامی اقتدار قائم نہیں ہوسکتا۔

مولانا مودودی کی فکر' مختلف اسلامی ممالک میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ مولانا کی فکر کے جن مرکزی نکات کا میں نے ذکر کیا ہے' انھی مرکزی نکات کی روشنی میں' مولانا کے پیروکاروں نے مسلم ممالک میں' ان تحریکوں کی حمایت کی ہے' جو اسلامی انقلاب کے لیے کوشش کر رہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان جماعتوں کو مغرب نے بنیاد پرست قرار دیا ہے لیکن مغرب کا بنیاد پرستی کا تصور غلط مفروضات پر قائم ہے۔ اس کا امکان ہے کہ جب مسلم ممالک میں صحیح جمہوریتیں قائم ہوں گی اور صحیح قسم کی قیادت منتخب ہوگی' تو مغرب کے یہ خدشات دور ہوجائیں گے۔

مولانا مودودی نے ملت اسلامیہ پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ قرآن مجید کی ایک انتہائی معلومات افزا اور مستند تفسیر' تفہیم القرآن' کی شکل میں تحریر کی۔ یہ تفسیر' قرآن کے سماجی' تاریخی اور نظریاتی پہلوؤں کو بڑی سلیس زبان میں اور بڑے مدلل طریقے سے واضح کرتی ہے۔

موجودہ زمانہ معاشیات کا زمانہ ہے' اس حوالے سے دنیا' سوشلزم اور سرمایہ داری کے نظاموں میں منقسم رہی ہے۔ اگرچہ روس کی شکست و ریخت کے بعد سوشلزم ظاہری طور پر کمزور ہوچکا ہے لیکن جب تک غربت اور معاشی ناہمواریاں' دنیا کے تین چوتھائی غریب ممالک پر چھائی رہیں گی اس وقت تک سوشلزم کے دوبارہ ابھرنے کا خدشہ موجود ہے۔ مولانا نے سرمایہ داری اور سوشلزم کے حوالے سے پرمغز تحریریں لکھی ہیں اور عام فہم انداز میں لوگوں کو سمجھایا ہے کہ انسانوں کی مادی اور روحانی ضروریات صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات کے اندر رہ کر ہی پوری ہوسکتی ہیں۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے یہاں کے اسلامی افکار پر علامہ اقبال کے بعد مولانا کے خیالات کی

گہری چھاپ پائی جاتی ہے۔ اگرچہ سیاسی طور پر جماعت اسلامی سے لوگوں کو اختلافات ہیں لیکن دو باتوں میں مولانا کے فکری کردار کو تسلیم کرنا پڑے گا:

اول یہ کہ وہ پاکستان میں سیکولرازم کے فروغ کے راستے میں ایک بہت بڑی دیوار ہیں اور اس سلسلے میں انھوں نے نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا ہے۔ البتہ یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ بہت سے نوجوان ان کی تجویز کردہ اخلاقی حدود سے باہر ہو کر کام کرتے ہیں۔ بعض نوجوان طلبہ جو مولانا کی فکر سے اثر پذیری کا دعویٰ کرتے ہیں' بعض اوقات ایسے افعال کا ارتکاب کر گزرتے ہیں جو سیاسی طور پر ناپسند کیے جاتے ہیں' لیکن جہاں تک اسلام کے حوالے سے فکری نکھار کا تعلق ہے' مولانا کے کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آخری بات یہ کہ مولانا کے فکری کردار سے یہ سبق ملتا ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق مسلمان مفکرین کو اسلامی نظام حیات قائم کرنے کے لیے عملی تجاویز پیش کرنی چاہییں۔ دوسرے لفظوں میں فکر مودودی کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ مولانا مودودی کے افکار کو حرف آخر نہیں سمجھنا چاہیے' بلکہ انھوں نے جو بصیرت دی ہے اس کی روشنی میں بدلتے ہوئے معاشی' سماجی اور سیاسی حالات کو حل کرنا چاہیے۔ مولانا کو محض جماعت اسلامی کے مفکر کی حیثیت سے پیش کرنا یا سمجھنا' ان کے ساتھ زیادتی ہے۔ وہ ساری ملت اسلامیہ کے ایسے مفکر ہیں جو بیک وقت بنیادی اسلامی اصولوں پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں اور کئی معاملات میں روشن خیال بھی ہیں۔ مثلاً جہاں وہ حلال طریقوں کی بنیاد پر قائم شدہ انفرادی ملکیت کو جائز سمجھتے ہیں وہاں وہ ناجائز طریقوں سے حاصل کردہ زمینوں کی ملکیت کو بھی غلط سمجھتے ہیں اور انھوں نے یہ بات پورے زور کے ساتھ تحریر کی ہے کہ اگر کوئی زمین تین سال تک زیر کاشت نہ لائی جائے تو اسے ان لوگوں کے حوالے کر دینا چاہیے جو اسے کاشت کر سکیں۔

مجیب الرحمٰن شامی

مدیر ہفت روزہ زندگی' لاہور

آج کے پاکستان اور عالم اسلام میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کا کردار اتنا اہم ہے کہ اس کا ذکر ان کے بغیر مکمل کرنا تو کجا شروع بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا حصہ فکری اور عملی دونوں لحاظ سے نمایاں ہے۔

ہم جس عہد میں سانس لے رہے ہیں' وہ (اسلامی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے) سید مودودی کا عہد ہے۔ ان کے تصورات اور نظریات سے عبارت ہے۔ اسلام کی جو تعبیر انھوں نے کی' اس وقت وہی غالب ہے۔ دنیا بھر کی بڑی بڑی اسلامی تحریکوں نے اس کی مہیا کردہ بنیاد پر اپنی جدوجہد کا آغاز کیا

ہے' اور اسی کے حوالے سے اپنی منزل کا تعین کیا ہے۔

مولانا مودودی نے اسلام کو ایک مکمل نظام کے طور پر پیش کیا' اور اسے غالب کرنے کے لیے اجتماعی جدوجہد پر زور دیا۔ اس تصور ہی نے اسلامی تنظیمات کو جنم دیا ہے' اور آج ہر مسلمان ملک میں اسی کی بدولت معرکہ برپا ہے۔

مولانا مرحوم نے اسلام کو ایک انفرادی معاملہ قرار دینے والوں کو سختی سے رد کیا۔ عبادات کو مقصود قرار دینے والوں سے بھی ٹکرائے' اور ریاستی امور سے اس کو لاتعلق رکھنے والوں کے خلاف بھی علم بلند رکھا۔ یہ ان ہی کی کوشش اور کاوش کا نتیجہ ہے کہ اب اسلام کو ایک نظام کے حوالے سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ اختلاف کرنے والے' اور ان کی تعبیر کو رد کرنے والے بھی موجود ہیں' لیکن مسلمان ممالک کے اندر بھی اور غیر مسلم معاشروں میں بھی ان کے خوشہ چینوں کی تعداد زیادہ ہی نہیں بہت زیادہ ہے۔ ان کے بہت سے ناقد بھی ان ہی کی اصطلاحات میں بات کرتے' اور ان ہی کے اہداف کو اپناتے ہیں' ان کے علم کلام میں ڈھل کر راستہ تلاش کر پاتے ہیں۔

مولانا مودودی نے آئینی اور قانونی ذرائع کو اپنانے پر بہت زور دیا ہے۔ جماعت اسلامی چونکہ ان کے ہاتھوں قائم ہوئی' اور پاکستان میں براہ راست ان کی امارت اور امامت میں پروان چڑھی' اس لیے اسے ان کے تصورات کی بولتی تصویر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا عملی کردار' ان کی فکر ہی نہیں' ان کی شخصیت کا بھی آئینہ دار ہے۔ پاکستان کے معروضی حالات میں انھوں نے دستور اور قانون کے دائرے کے اندر رہنے پر زور دیا --- اور انتہائی سختی کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہے۔ ان کا انقلاب یہاں پارلیمانی سیاست کے سانچے میں ڈھل گیا' اور انتخابی عمل ہی کو انقلابی عمل کا متبادل قرار دے لیا گیا۔

اس حکمت عملی کو تمام اسلامی تحریکات نے حرف بہ حرف نہیں اپنایا کہ ہر معاشرے اور ہر دور کے اپنے معروضی حالات ہوتے ہیں' ان کے اندر رہ کر ہی راستہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اسے یوں سمجھیے کہ گھنے جنگل میں پھنس جانے والے کی جدوجہد پہاڑوں میں راستہ بھول جانے والے سے مختلف ہوگی۔ میدانی علاقے کا رہنے والا صحرا میں اذان دینے والے سے مختلف اسلوب رکھے گا۔ مختلف اوقات اور مختلف حالات میں مختلف حکمت عملی اپنانا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

اس طرح جماعت اسلامی کے انداز اور طریق کار میں تبدیلی کے امکانات بھی طلوع ہوتے ہیں' اور مختلف معاشروں میں برپا تحریکات کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ ان کے اختلاف کو تضاد قرار دے کر تنقید کرنے کے بجائے اجتہادی دائرے کی وسعت پر اطمینان بلکہ مسرت کا اظہار کیا جانا چاہیے۔

مولانا مودودی کو روشنی کا ایک ایسا مینار قرار دیا جا سکتا ہے جس سے آج کی نئی اسلامی تحریکات

روشنی حاصل کرتی ہیں --- یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ روشنی ٹیوب لائٹ میں ہو یا قمقمے میں یا تیل لیمپ میں ' ہوتی روشنی ہی ہے۔ اسے کسی خاص ہیئت کا پابند نہیں کیا جاسکتا' ہاں ضرورت اور حالات کے مطابق پیکر تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

فقیر محمد بلوچ

سابق چیف سیکرٹری بلوچستان

سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنی پوری زندگی اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ رات دن اسی کوشش میں منہمک تھے 'کہ کس طرح سے صحیح معنوں میں احیاے اسلام کے ہمہ گیر پیغام کو پوری دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص متعارف کرایا جائے۔ اس ضمن میں مولانا نے تفہیم القرآن کے نام سے چھ جلدوں میں قرآن مجید کی سلیس اردو زبان میں تفسیر لکھی۔ یہ رب العالمین کے پیغام کو انسانوں میں پھیلانے کے لیے 'مولانا موصوف کا پہلا قدم تھا۔ میں یہ بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ تفہیم القرآن کا مطالعہ تمام مسلمانان عالم کے لیے رشد و ہدایت کا عظیم ذریعہ ہے اور بیرونی اسلامی ممالک کے مسلمان اسے پاکستان کی خوش بختی سے تعبیر کرتے ہیں کہ مولانا جیسی اسلامی قدآور شخصیت مملکت پاکستان کو نصیب تھی۔ اس کے علاوہ مولانا مرحوم بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں' جن کے مطالعہ سے پورا عالم اسلام کماحقہ استفادہ کر سکتا ہے۔ مولانا علم فقہ میں ہمہ وقت تحقیق و تدقیق کے قائل تھے اور احیاے اسلام کے لیے اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی کتابوں کے مطالعے سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ وہ نظریہ پاکستان کے استحکام کو مکمل اسلامی نفاذ میں مضمر سمجھتے تھے۔

مولانا کی تحریروں سے یہ بات نہایت واضح ہے کہ وہ مسلمانوں کو سادہ زندگی گزارنے اور اسراف اور فضول خرچی سے کلیتاً اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے اپنی تحریروں میں اس بات کی واضح نشاندہی کی ہے کہ انصاف معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ ہے۔ اگر کسی معاشرے میں معاملات انصاف کی کسوٹی پر پرکھے نہیں جاتے تو اس معاشرے کا زندہ رہنا ہر اعتبار سے ناممکن ہو جاتا ہے۔ کفر کا معاشرہ تو شاید زندہ رہ سکتا ہے 'مگر بے انصافی کا معاشرہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ مولانا اپنی تحریروں میں متوازن معیشت کی تلقین کرتے ہیں جس میں کہ امیر و غریب کے درمیان معاشی تفاوت کم سے کم ہو۔ اور عوام الناس کو بنیادی ضروریات زیست یعنی لباس ' خوراک ' سر پر چھت ' بنیادی تعلیم اور ابتدائی طبی سہولیات میسر ہوں۔

مولانا مغربی طرز تعلیم اور مشرقی یا اسلامی تعلیمات میں ربط و مفاہمت کے متقاضی ہیں۔ ان کے نظریہ فکر کے مطابق مغربی درس گاہوں میں مناسب اسلامی نصاب مقرر کیا جائے اور دینی مدارس میں

مغربی علوم کا مناسب بندوبست کیا جائے کیونکہ اس طرح کے نصاب تعلیم سے پاکستان میں نظریاتی ہم آہنگی اور فکری اور علمی کردار کے پہلو نمایاں ہوں گے۔ اگر پاکستان کے صاحبان بست وکشاد اس قسم کا نصاب رائج کریں تو پاکستانی معاشرہ نہ صرف عالم اسلام کے لیے ایک مثال پیش کرے گا بلکہ یہ پوری دنیا کے لیے ایک راہبری ہوگی۔

جماعت اسلامی' اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے فکری اور علمی کردار پر کاربند رہنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں ہے۔ جماعت اسلامی ایک نہایت ہی منظم جماعت ہے اور باقاعدگی سے جمہوری اصولوں کی پابند ہے۔ جماعت کے اندر باقاعدہ انتخابات ہوا کرتے ہیں۔ یہ جمہوری روایت شاید ہی پاکستان کی کسی اور سیاسی جماعت میں ہو۔ اس کے عہدے دار اور کارکن ' اللہ کے فضل و کرم سے بااصول ' باکردار اور نظریاتی طور پر پختہ کار ہیں۔ انھوں نے کبھی اپنے نظریاتی اصولوں سے انحراف نہیں کیا ہے۔ میری اپنی دانست کے مطابق جماعت اسلامی کا مستقبل تابندہ و روشن ہے۔ میں خدا کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو اپنے عظیم مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے تاکہ وہ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام اور انسانیت کی خدمت کے اہل ثابت ہوں۔ آمین!

ملک معراج خالد

ریکٹر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی 'اسلام آباد

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم پاکستان کی ان چند اہم شخصیات میں سے ہیں جن کا سیاسی اقتدار میں کبھی کوئی حصہ نہیں رہا۔ وہ جس جماعت کے بانی اور امیر تھے' اسے بھی انتخابات میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا مودودی اپنی زندگی کی آخری سانس تک ملک کی قومی زندگی کی ایک بڑی موثر قوت تھے۔ ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی کو سراہنے والوں کی تعداد کل کی طرح آج بھی اچھی خاصی ہے۔ اسی طرح اس کے شدید مخالفین کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ لیکن جس بات کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ مولانا مودودی کی جماعت سیاسی زندگی کے متعدد اتار چڑھاؤ کے باوجود ملک کی ایک اہم سیاسی قوت ہے جسے نہ کل نظرانداز کیا جا سکتا تھا اور نہ آج ہی نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔

مولانا مودودی کی اس قوت کا راز کیا ہے؟ حکومتی اقتدار نہ ہوتے ہوئے بھی ایسا کیوں ہوا کہ مولانا مودودی برسا برس تک ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل و دماغ پر حکمرانی کر سکے؟ میرے نزدیک مولانا مودودی کی اس قوت کا راز ہمیں ان کے علم کی وسعت و گہرائی' اسلام کی حقانیت کی علمبرداری' ان کی فکر کی توانائی اور ان کی اظہار خیال کی غیر معمولی پاکیزگی اور صلاحیت میں تلاش کرنا

چاہیے۔

مجھے زندگی کا وہ ابتدائی دور اچھی طرح یاد ہے جب اپنی نسل کے دوسرے نوجوانوں کی طرح میں تلاش حق کے لیے سرگرداں تھا اور اس وقت کے مروجہ افکار و نظریات میں انسانیت کے لیے راہ نجات تلاش کر رہا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ کی طرح برصغیر کے تعلیم یافتہ نوجوان کمیونسٹ نظریات کی چمک دمک سے متاثر ہو رہے تھے اور خود میں نے بھی کمیونزم کا خاصا وسیع اور غائر مطالعہ کیا تھا۔ اس دور کی سرگشتگی میں اقبال کی شاعری اور ان کی تحریروں کے طفیل مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا جسے خود اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اقبال ہی کے طفیل مجھ پر اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ آب حیات کی تلاش میں مجھے سرگرداں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس کا سرچشمہ خود قرآن پاک ہے اور نبی آخر الزماں ؐ کا وہ اسوۂ حسنہ ہے جو مکمل دین ہے۔

زندگی کے اس اہم فکری موڑ پر اقبال کے بعد جس شخصیت سے مجھے سہارا ملا اور جس سے راہ حق کی دریافت میں مدد ملی وہ مولانا مودودی تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ان کا پہلا مضمون جزیرے میں نے پڑھا جو کہ جہاد کے موضوع پر تھا اور غالباً دہلی کے کسی رسالہ میں شائع ہوا تھا --- دلائل کی قوت، اسلوب نگارش کا حسن اور زور اور اسلام کے بارے میں ایک غیر معمولی پر اعتماد لہجہ --- ان سب چیزوں نے مجھے چونکا دیا اور اس کے بعد میں مولانا مودودی کی تحریروں کو بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھنے لگا۔ اقبال کے ذریعے زندگی کا جو رخ بنا تھا، مولانا کی نگارشات نے اس رخ پر آگے بڑھنے میں میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی۔

قیام پاکستان کے بعد جب مولانا مودودی نے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو ان سے ملنے جلنے کے متعدد مواقع پیدا ہوئے اور مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ مولانا مودودی سے اور ان کے افکار و نظریات سے آدمی کو ہزار اختلاف ہو، لیکن ان کو قریب سے دیکھنے والا شاید کوئی بھی ایسا شخص نہ ہو گا جو ان کے غیر معمولی اخلاص، ان کی بے لوثی اور اپنے مقصد و نظریات سے ان کے شدید عشق سے متاثر نہ ہوا ہو۔ مرور وقت کے ساتھ مجھے ان کی شخصیت کے متعدد دوسرے دلآویز پہلوؤں کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا اور میں ان کی شرافت و شائستگی، اصول پسندی اور ایمانداری، معاملہ فہمی اور میانہ روی اور ملک و ملت سے ان کے لگاؤ سے بے حد متاثر ہوا۔ سیاسی طور پر میں اس کیمپ میں تھا جسے مولانا مودودی کی جماعت سے شدید اختلاف تھا۔ اس کے باوجود میں نے ان میں جو خوبیاں دیکھیں، ان کی وجہ سے میں ان کا احترام بھی کرتا تھا اور ان کے لیے اپنے دل میں قدر

و قیمت کے جذبات بھی رکھتا تھا۔ سیاسی دھڑے بندی اور سیاسی جماعتوں کے مابین باہمی آویزش اور تلخی کی فضا کے باوجود میں نے ان سے کبھی کوئی فاصلہ محسوس نہیں کیا اور ملک و ملت کے مجموعی مفاد میں جب کسی تجویز کو مناسب خیال کیا' اسے بلا کسی جھجک مولانا کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ بات میرے لیے بڑی طمانیت کا موجب تھی کہ مولانا کے انداز اور رویے سے یہ بات پوری طرح عیاں تھی کہ وہ مجھ پر اعتماد بھی فرماتے تھے اور انس بھی رکھتے تھے۔

مولانا مودودی مرحوم نے سیاست میں بھرپور حصہ لیا' لہٰذا بہت سے لوگ ان کو بنیادی طور پر ایک سیاسی لیڈر اور ملک کی ایک سیاسی جماعت کے بانی اور قائد کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن مولانا کی اصل حیثیت اور اہمیت یہ ہے کہ وہ ایک اسکالر اور مفکر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودی کے اثرات پاکستان تک محدود نہیں بلکہ ان کی فکر سے متاثر ہونے والے دنیا کے تقریباً ہر خطے میں موجود ہیں۔ بہ حیثیت ایک اسکالر اور مفکر' مولانا کی ایک امتیازی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی بات دلائل سے منواتے تھے نہ کہ فکری استبداد سے۔

ایک اسکالر اور مفکر کی حیثیت سے مولانا مودودی نے اپنی تحریروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کی فکر کے متعدد پہلوؤں نے مجھے بہت متاثر کیا' خاص طور پر اس بات نے کہ وہ جس خدا پرستی کے قائل تھے' اس کا تقاضا ہے کہ آدمی پوری نوع انسانی کی اخوت کو ایک بنیادی اصول کے طور پر تسلیم کرے' اللہ کی مخلوق کو اس کا کنبہ سمجھے اور اس کے لیے ہر قسم کے خیر اور فلاح کا طالب ہو' اور انسانی زندگی کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کرے۔ ان کے تصور اسلام کا یہ پہلو بھی میرے لیے دل آویز ہے کہ اسلام کا انسان سے بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ سے محبت کرے اور ان کا وفادار بن کر رہے۔ لیکن اسلام کا انسان سے یہ مطالبہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی خاص شخص' گروہ یا مکتب فکر کا اندھا مقلد بن جائے۔ میرے دل میں مولانا کے اس رجحان کی بھی بڑی قدر ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی تعلیمات کی صحیح تعبیر کے لیے روشن اور غیر متعصب ذہن' بیدار مغز اور دل کی بڑی وسعت کی ضرورت ہے۔ مولانا مودودی نابغہ روزگار تھے۔ وہ اسلام کی ازلی اور ابدی سچائیوں کے مطابق ایک ایسا نظام انسانیت قائم / برپا کرنے کے داعی تھے جو تمام بنی نوع انسان کو ہر نوع کی غلامی' محتاجی' دست نگری اور تذلیل و تحقیر سے نجات دلانے کا علمبردار ہو۔ انھوں نے احترام آدمیت کی لافانی قدروں کی تبلیغ اور سربلندی کے لیے تاریخ ساز جہاد کیا لیکن میری حقیر رائے میں قومی اور عالمی سطح پر انسان کو خوف اور ذہن کے عذاب میں مبتلا رکھنے والی قوتوں کے خلاف محروم اور مقہور طبقات کو منظم کرنے کے وہ عوامی طریقے بروئے کار نہ لا سکے جن کی بدولت ہی مظلوم اور محروم اکثریت کو ایک عظیم انقلابی قوت میں تبدیل کرنا ممکن اور لازمی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح یا غلط' جماعت اسلامی کے بارے میں مراعات یافتہ طبقوں کی حامی جماعت ہونے کی بدگمانی

نہ

بڑھتی گئی۔ جماعت اسلامی کی موجودہ قیادت نے عوام کے بنیادی معاشی حقوق غصب کرنے والے، انھیں سماجی لحاظ سے ذلیل و رسوا کرنے والے اور ان پر عدل و انصاف کی راہیں مسدود کرنے والے عناصر کے خلاف جس انقلابی اور عوامی طریق عمل کو پورے اخلاص اور جوش سے اختیار کیا ہے وہ مولانا مودودی کے بنیادی فکر حریت کے عین مطابق ہے۔ اسلام کے اصل حیات کی رو سے میری حقیر رائے میں موجودہ قیادت کا لائحہ عمل برحق ہے اور اس سے لازمی طور پر مولانا مودودی کے نظریات کی سچائی، ناگزیر ضرورت اور ہمہ گیری کا پورا پورا جواز فراہم ہوتا ہے۔

حکیم محمد سعید

چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی

میں بغیر کسی ذہنی تحفظ کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان اور عالم اسلام میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی عہد ساز جدوجہد کی تاریخ کا عنوان جلی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ذات گرامی ہے۔

عالمی غلبۂ اسلام اور دین کو ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عملی حیثیت سے نافذ کرنے کی تحریک جس فکری قوت کے ساتھ انھوں نے برپا کی اس نے اپنے وقت کی تمام دینی اور اصلاحی تحریکات کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ اس کی وجہ سے ان کو جلا و تقویت نصیب ہوئی اور ایک لائحہ عمل ملا۔

مختصر سے زمانی تقدم و تاخر کے ساتھ مولانا مودودی کی دعوت و تحریک کی صدائے بازگشت مصر و افریقہ اور برطانیہ و امریکہ میں سنی جانے لگی اور ایشیا سے یورپ تک اس فکر کی قوت اور اس استدلال کی ہمہ جہت مقبولیت نے عالم اسلام کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس طرح کم از کم عالم اسلام میں اسلامی انقلاب کے امکانات روشن ہونے لگے۔ عصر حاضر کی تمام اسلامی تحریکات کے بارے میں یہ کہنا درست ہو گا کہ اسلام کو ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے نافذ کرنے کا داعیہ رکھنے والی تحریکات نے بالواسطہ یا بلاواسطہ افکارِ مودودی ہی کو اپنا ماخذ و منبع قرار دیا، اور طرز استدلال کو موثر بنانے کے فن کا اکتساب بھی انھی سے کیا۔

مولانا مودودی کی تحریک غلبہ اسلام یقیناً نئی نہیں ہے اسے مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید اور دیگر اکابر (رحمہم اللہ) کی جدوجہد کا تسلسل کہا جا سکتا ہے۔ خود مولانا مودودی مرحوم تمام اکابر مصلحین کی عظمتوں کے معترف تھے۔ بایں ہمہ مولانا مودودی کے کچھ امتیازات ہیں۔

جب مولانا مرحوم نے تحریک شروع کی تو عالمی تناظر یکسر منقلب ہو چکا تھا، عالم اسلام پر مغرب کے سیاسی استیلا و تسلط اور صنعتی و سائنسی انقلاب سے انفرادی و اجتماعی زندگیوں کی اقدار بدل گئی تھیں، علم کا سطح نظر اور فکر کے زاویے بدل گئے تھے، خود مغرب میں کلیسا اور سیاست کی کشمکش میں دین و دنیا کی

وحدت منقسم ہو چلی تھی۔

مذہب ابتدا میں فرد و جماعت کی نجی اور ذاتی زندگیوں تک محدود ہوا اور آگے چل کر مرازم اجتماعی اور سیاسی سطح پر بالکل بے اثر ہو گیا بلکہ انفرادی زندگی پر بھی اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ بدقسمتی سے اس انقلاب کے اثرات ان ممالک پر بھی ہوئے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تو تھی مگر جو سیاسی مادی اور معاشرتی پس ماندگی اور زوال سے پہلے ہی دوچار تھے' اب دین اسلام کے اس امتیازی شعور سے بھی محروم ہو گئے کہ وہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور وہ اس نظام کے پیروکی حیثیت سے اپنی زندگی' ترقی اور فتح مندی کے لیے کسی دوسرے نظام زندگی کے محتاج نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی تازہ نہیں تھی کہ ان کو کامرانیوں کی ضمانت دینے والی اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب ان کے پاس موجود ہے جو صرف روحانی تعلیمات تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں ان کی مکمل رہنمائی کرتی ہے۔ انھیں اس بات کا کوئی خیال نہ تھا کہ ان کا ایک طبقہ شدت کے ساتھ اس بات کا قائل ہوتا جارہا ہے کہ دین کا وہ تصور درست ہے جو اہل مغرب ان کے اذہان میں پیوست کر رہے ہیں۔ ان حالات میں دراصل خود مسلمانوں میں یہ شعور پیدا کرنا ضروری ہو گیا تھا کہ اسلام کو مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے قبول کر کے اور پھر تمام سطحوں پر اسے عملاً نافذ کر کے ہی مسلمان زندہ رہ سکتے ہیں۔ اس فکری پس منظر میں اگر جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ مولانا مودودی مرحوم کا بہت بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے دین کے صحیح اور مکمل مفہوم کی وضاحت کر کے اس کی ہمہ گیری کا شعور پیدا کیا اور اسلامی تہذیب' اسلامی تمدن' اسلام کے اخلاقی' سیاسی' اقتصادی اور بین الاقوامی نظام نیز طرز حکومت' مالیات اور اصول تجارت جیسے عنوانات پر نہایت محققانہ اور بصیرت افروز کتابیں لکھیں۔ دین و عبادت کا مفہوم واضح کیا اور تمام شعبہ ہائے زندگی کے مسائل پر محیط سوالات کے جوابات کے لیے ایسے وسیع ترین لٹریچر کی تخلیق کی جس کا معیار ہر پہلو سے دورجدید کے ذہن کے لیے قابل قبول ہے۔ اس کے مطالعے سے بغیر کسی الجھن میں پڑے' قرآن کی واضح تفہیم حاصل ہوتی ہے' اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں جدید ترین مسائل کا حل سامنے آتا ہے۔

دوسرا بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے قرآن و سنت ہی کو معیار حق قرار دیا' اور اس تصور کو مستحکم کرنے کے لیے متعدد ایسی کتابیں پیش کیں جنھوں نے مسلمانوں میں دین کی وسعت و ہمہ گیری اور اس کے ابدی اور دائمی ہونے پر ایمان و یقین کو مستحکم کر دیا۔ اس لٹریچر نے اپنے عہد کی تمام اسلامی تحریکات کو مغرب سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی ہمت و قوت فراہم کی۔ آج یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مولانا مرحوم کے فکر انگیز لٹریچر ہی کا یہ اثر ہے کہ مغرب کو بھی یہ احساس ہونے لگا کہ اسلام جیسے زندۂ جاوید اور کامل ترین نظام زندگی کے مقابلے میں روسی اشتراکیت کی طرح مغرب کی لادینی جمہوریت اور اخلاق و انسانیت سے محروم تہذیب بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

مغرب کو یہ احساس ہے کہ دنیا میں اس کا سب سے زیادہ طاقتور حریف اسلام ہی ہے اور آج مسلمانوں کو اپنے سحر میں تادیر مبتلا رکھنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ مسلمانوں میں اعتماد کی یہ ذہنی فضا مودودی مرحوم کی فکر انگیز تحریروں نے پیدا کی اور یہ ان کا بہت بڑا امتیاز ہے۔

آج مغرب کے مرعوب کن نظریات کے مقابلے کی قوت مدافعت نوجوان نسل کو اس لٹریچر سے ملی ہے جس کے ذریعے انھوں نے کوشش کی کہ ہر سطح پر یہ احساس عام ہو جائے کہ پاکستان کی بقا کا راز نفاذ اسلام میں مضمر ہے' اور قیام نظام اسلام اہل وطن کی اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔

یہ تاریخی کارنامہ مولانا مودودی مرحوم کا بھی ہے اور اس جماعت کا بھی ہے جو ان کی امارت و قیادت میں بنی اور اس کا نام جماعت اسلامی رکھا گیا۔

اس جماعت کے افراد نے اقامت دین کو اپنا نصب العین بنایا اور کتاب اللہ و سنت نبویہ کو اپنے طریق کار کا ماخذ قرار دیا۔ اللہ کے کلمہ کو بلند اور غالب کرنے کے لیے بلاشبہ اس نے مخلصانہ خدمات انجام دیں' تھوڑی ہی مدت میں اسلام کی تبلیغ' دین کی تفہیم' اور تنظیم و اصلاح کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ ایک دینی جماعت کی حیثیت سے معاشرے میں ان کا تشخص قائم ہوا۔ ان کی تربیت اور فکر و نظر کی تشکیل میں مولانا مودودی مرحوم نے براہ راست حصہ لیا۔ ماہنامہ ترجمان القرآن اس جماعت کا ترجمان اور علمی و تحقیقی مضامین کا بہترین آرگن تھا۔ سیاست کے ایوانوں' میں دانش گاہوں' عدالتوں میں ریاستی حلقوں میں ان کی وہ آواز پہنچی جس میں حق و صداقت کی حلاوت تھی اور قول و عمل کی وحدت تھی۔ جماعت کی حکمت عملی کی اساس اخلاقیات پر تھی' اس لیے معاشرے میں قدر و احترام کی نظروں سے انھیں دیکھا جاتا تھا' اس جماعت کو معاشرے میں لادینی قوتوں کے خلاف سب سے بڑی منظم جماعت کا درجہ حاصل ہوا' لیکن اب بتدریج یہ تاثر پھیلتا جا رہا ہے کہ جماعت اسلامی کی دینی شناخت دھندلی ہو گئی ہے اور وہ ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کی صف میں داخل ہو کر سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے مولانا مودودی مرحوم کے تربیتی خطوط سے منحرف ہو گئی اور سیاست کے معروف حربوں سے کام لینے لگی ہے۔ اب وہ مزاحمتی قوت نہیں رہ گئی' بلکہ دوسری سیاسی جماعتوں کے متوازی ایک جماعت بن گئی اور اس کی دینی و اخلاقی شناخت' حق گوئی اور بے باکی اور اصولی موقف پر ثابت قدمی کی حکمت عملی برقرار نہ رہ سکی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اخلاق پر سیاست کا غلبہ ہو گیا۔ اگر یہ تاثر درست نہیں ہے تو اس خیال کی اصلاح کی کوشش بھی اس جماعت کی ذمہ داری ہے۔

میں ایک درخت ہوں!

خرم مراد

میں ایک سرسبز و شاداب اور تندرست و توانا درخت ہوں۔

میرے جیسے کروڑوں اربوں درخت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ دانے اور گٹھلی کے پھاڑنے والے نے زمین کا سینہ چیر کر میری کونپل نکالی تو میں ایک ننھا منا پودا تھا۔ اس نے میری پرورش کی تو مجھے لاکھوں قسموں، صورتوں اور رنگوں میں پروان چڑھایا۔ چھوٹا بھی بنایا اور بڑا بھی۔ کیلیفورنیا میں صنوبری نسل کے ریڈووڈ کی صورت میں میں ۳۰۰ فٹ سے زیادہ لمبا ہوتا ہوں۔ میری جنس ۳ ارب سال سے موجود ہے۔ اگرچہ میں ننھا منا سا بھی مرجھا جاتا ہوں لیکن سب سے زیادہ طویل العمر زندہ مخلوق بھی میں ہی ہوں۔ ۴ ہزار سال تک کی عمر پاتا ہوں۔

میرے ہم جنس زمین سے اگنے والے پودوں کی اقسام و انواع کا کوئی شمار نہیں۔ ۱۰ لاکھ سے کم تو کسی صورت بھی نہیں ہیں۔ سب ۳۰۰ فٹ کے عظیم جثے ہی نہیں، اتنے چھوٹے بھی ہوتے ہیں جیسے یہ جراثیم اور بیکٹریا، یہ بھی پودے ہیں۔ یہ کائی، یہ بھی پودے ہیں۔ ۲ لاکھ جراثیم ایک جگہ جمع کریں تو ۲ انچ جگہ بھی نہ بھرے گی۔

جہاں ذرا نمی ہو، ذرا جڑ پکڑنے کی جگہ، اور ذرا گرمی، وہاں میں موجود ہوتا ہوں۔ سمندر میں، دریا میں، مٹی پر، چٹانوں میں، ہر جگہ۔ ایک چوتھائی زمین صرف جنگلات سے بھری ہوئی ہے لیکن آج سے ۱۰ ہزار سال پہلے یہ رقبہ دوگنا تھا۔ یہ تو اس ایک صدی میں بڑی تیزی کے ساتھ مجھے کاٹا جا رہا ہے۔

بدقسمتی سے حضرت انسان کو کچھ پتا ہی نہیں کہ میں ان کی زندگی کے لیے کتنا قیمتی اور ناگزیر ہوں۔ میں نہ ہوتا تو انسان کیا، کوئی بھی حیوان میرے بغیر زندہ نہ رہ سکتا۔ انسان ذرا اپنی خوراک کو ہی دیکھ لے! اسے کچھ اندازہ ہو گا کہ اس کے اور میرے خالق نے اسے سامان زیست بہم پہنچانے اور رزق دینے کے سارے کام پر مجھے اور میرے ہم جنس پودوں ہی کو مامور کیا ہے۔ اگر اسے اس کا ذرا بھی احساس ہو جائے کہ میں، اپنے خالق کے حکم کی تعمیل میں، کتنے حیرت انگیز طریقے سے اس کی زندگی کی بقا کا سامان کرتا ہوں، تو وہ اس کے سامنے اتنی ناشکری نہ کرے اور اتنی اکڑفوں نہ دکھائے۔ اور کچھ میری بھی قدر کرے اور میرے ساتھ وہ ظلم نہ کرے جو آج کل وہ کر رہا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کے

بس میں نہ تھا کہ وہ مجھے بناتا۔

(بھلا وہ کون ہے جس نے) تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعے سے وہ خوش نما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمھارے بس میں نہ تھا۔

انسان کے لیے میری خدمات ان گنت اور انمول ہیں۔جن کو وہ بتا نہیں سکتا' گن نہیں سکتا' نہ ان کی تہہ تک پہنچ سکتا۔میری خدمات کی قیمت ڈالروں اور روپوں میں نہیں لگائی جا سکتی۔مگر یونکہ آج کے زمانے میں ڈالر کا راج ہے' اس لیے میں یہ بھی بتاتا چلوں گا کہ انسان نے میرے انمول کاموں کا مول کتنے کتنے ڈالر لگایا ہے۔انسان کہتا ہے: میں صرف ایک درخت' ہر سال قومی معیشت میں ۳ ہزار ۷ سو ڈالر' ایک لاکھ ۱۵ ہزار ۵۱۱ روپے کا اضافہ کرتا ہوں۔اس میں ان کارخانوں کی سرمایہ کاری شامل نہیں جو میرا کام کرنے کے لیے بنانا پڑتے' نہ پھر ان کے ماحولیاتی نقصانات کی قیمت۔

پیدا کرنے والے نے مجھے ایسا بنایا ہے کہ میں صرف پانی ہوا اور روشنی پر زندہ رہتا ہوں۔زندہ رہنے کے لیے حکم ربی کے سوا ان کے علاوہ میں اور کسی رزق کا محتاج نہیں۔جبکہ میرے سوا کوئی ذی حیات مخلوق اپنی خوراک خود نہیں بناتی' میں اپنی خوراک خود بناتا ہوں۔اس خوراک سے میرے سب تنے' شاخیں' پتے' پھل اور پھول بنتے ہیں۔میری پرورش بھی ہوتی ہے' تمام حیوانات کی بھی اور انسان کی بھی۔وہ گوشت کھائیں' دودھ پئیں' سب کچھ میری بنائی ہوئی اس خوراک سے ہی بنتا ہے۔

میرے ایک ایک پتے میں جنھیں انسان بڑا حقیر سمجھتا ہے اور نوچ کے' کچل کے' مسل کے پھینک دیتا ہے میری خوراک سازی کا وہ کارخانہ لگا ہوا ہے۔اسی خوراک سے سارے بندوں کے لیے رزق کا سامان ہوتا ہے۔انھی کارخانوں سے اسے سانس لینے کے لیے ہوا صاف ملتی ہے۔(رزقاللعباد)۔کیا حیرت انگیز خلاقی ہے!

میری جڑیں زمین میں ہوتی ہیں' ان جڑوں کے ذریعے میں زمین سے پانی لیتا ہوں۔میرے تنے میں' شاخ میں' ہر پتے کی ڈنٹھل میں' ہر پتے کے جسم میں' پائپ لائنوں اور شریانوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ایک پتا ہاتھ میں لیں تو ان کی لکیریں دکھائی دیں گی۔جیسے انسان کی کھال پر سے خون کی چھوٹی چھوٹی نالیاں نظر آتی ہیں۔یہ نالیاں ہر پتے کے کارخانہ میں پانی پہنچا دیتی ہیں۔ہر پتا کا کنکشن جڑ کے ساتھ ہوتا ہے۔یہ ہے واٹر سپلائی کا نظام!

میرے پتے کے جسم میں ننھے منے بے شمار سوراخ ہیں جیسے کھال میں مسام۔یہ انسان کی آنکھ سے نظر نہیں آتے۔سورج نکلتا ہے' روشنی اور حرارت پہنچتی ہے تو یہ سوراخ کھل جاتے ہیں اور میں سانس لینا شروع کر دیتا ہوں۔رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو یہ سوراخ بند ہو جاتے ہیں۔میں ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس حاصل کرتا ہوں۔پتے کے اندر کلوروفل ہوتا ہے جس کا رنگ سبز ہوتا ہے۔یہ کلوروفل پانی اور گیس کی کاربن کو ضیائی تالیف (photosynthesis) کے ذریعے سادی شکر میں

تبدیل کر دیتا ہے۔ شکر سازی کے اس عمل کے لیے (جو اب ہا رب کارخانوں میں جاری رہتا ہے) میں نہ ایندھن کا محتاج ہوں' نہ بند باندھ کر بجلی بنانے کا' بلکہ ساری توانائی سورج سے حاصل کرتا ہوں۔ اسی شکر سے میں نشاستے (starch) بناتا ہوں۔

اس شکر سازی کے عمل میں جو آکسیجن بچتی ہے' کچھ خود استعمال کرتا ہوں باقی میرا ہر پتا ایک امانت کی طرح اپنے سوراخوں سے فضا کو واپس کر دیتا ہے۔ انسان سانس لیتا ہے تو آکسیجن خرچ کر کے کاربن ڈائی آکسائیڈ فضا میں ڈالتا ہے جس سے ماحول آلودہ ہوتا ہے۔ میرے پتے سانس لیتے ہیں تو ۶۰۰۲ ٹن کاربن کو اپنے اور انسان کے لیے خوراک بنا کر فضا کو ۴۴۰۶ ٹن آکسیجن واپس کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ہوا کو صاف و پاک کرتے ہیں۔

جتنی خوراک کی پتے کو ضرورت ہوتی ہے وہ رکھ لیتا ہے' باقی میرے تنے اور شاخوں کو توانا بنانے' نئی شاخیں بنانے' پھول پیدا کرنے' جن سے میری نسل کے تسلسل کا انتظام ہوتا ہے' اور پتے' پھل اور دانے بنانے میں استعمال ہوتی ہے' جو انسان' پرندے اور جانور کھاتے ہیں۔

تعجب کی کیا بات ہے اگر میرا پیدا کرنے والا میرے ایک ایک پتے کی خبرگیری کرتا ہے جس طرح وہ انسان کے جسم کے اربوں خلیوں میں سے ایک ایک خلیے کی نگہبانی کرتا ہے۔

اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتا ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو' زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو' خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ (۶: ۵۹)

انسان نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر وہ اپنی ٹیکنالوجی سے ہوا کی صفائی کا پلانٹ لگائے تو میرے برابر کاربن گیس نکالنے پر ۴ ہزار اور آکسیجن فراہم کرنے پر ۲ ہزار روپے' سالانہ خرچ ہوں گے۔ پلانٹ کی قیمت الگ رہی۔

رزق بنانا' رزق پہنچانا' ماحول صاف رکھنا تاکہ انسان کو غذا اور ہوا ملے' یہ تو میرا سب سے اہم کام ہے' لیکن میری ہر چیز انسان کے کام آتی ہے۔ اب میں جلدی جلدی اپنی بڑی بڑی خدمات شمار کراتا ہوں:

یہ کاغذ جس پر آپ پڑھ رہے ہیں' میرے گودے سے بنا ہے۔ یہ میز کرسی جس پر آپ بیٹھے ہیں یا پلنگ جس پر آپ لیٹے ہیں' اس کی لکڑی میں نے مہیا کی ہے۔ میں ۲۰ کیوبک فٹ کے قریب لکڑی فراہم کرتا ہوں (قیمت ۱۵۵۰۰ روپے)۔ ماضی میں لکھنے کے لیے قلم سب میری ہی لکڑی سے بنتے تھے۔ دانت صاف کرنے کے لیے ٹوتھ برش' میں ہی دیتا ہوں۔

میں زیر زمین سے ۲۰ ہزار لیٹر پانی کا ذخیرہ کرتا ہوں' اور اس طرح اسے ضائع ہونے سے بچاتا

ہوں (اس کی قیمت ۲۵۰۰ روپے ہے)۔ میں ہوائی آلودگی جذب کر کے ماحول کو پاک و صاف رکھتا ہوں۔ ۷۰۰ کلو دھول گرد جذب کرتا ہوں، ۱۱۰۰ کلو دھول اور مکروہ چیزیں چھانتا ہوں، میرے پتے ہوا میں زہر اور تابکاری کو جذب کرتے ہیں (۱۰۰۰ روپے سالانہ)۔ میں فضلات بدبوؤں کو رفع کرتا ہوں اور خوشبوئیں بکھیرتا ہوں (۱۰۰۰۰ روپے سالانہ)۔ اگر میں دفاع اور صفائی کی یہ ساری خدمات انجام نہ دوں تو سیکڑوں پرندے اور پھپھوندیاں زندہ نہ رہ سکیں گے (اس کی قیمت الگ لگا لیں)۔ میں دھوئیں اور دھند کو بھی صاف کرتا ہوں۔ اس صفائی کے لیے پلانٹ لگائے جائیں تو صرف جرمنی میں ان کی لاگت ۷۰۰ ارب روپے آئے گی۔ میں زمین کو کٹاؤ سے بھی بچاتا ہوں۔ میں ہر سال ۵۵ کلو نباتاتی مواد زمین تک پہنچاتا ہوں (۲۰۰۰ روپے کا)، چارا اور لکڑی اس کے علاوہ ہیں (۱۰۰۰ روپے کا)۔ یہ نباتاتی مواد تین سال میں سڑگل کے کھاد بن جاتا ہے۔ اس کھاد میں ۴ کلو جراثیم، ۴ کلو پھپھوندی، ۱۶ کلو زمینی کیڑے، ۳ کلو دوسرے حشرات ہوتے ہیں۔ (اس کی مانند گلانے سڑانے اور کھاد بنانے کے کارخانے پر ۱۵۰۰۰ روپے کی لاگت آئے گی)

میں دھوپ میں سایہ اور بارش میں چھتری بن جاتا ہوں۔ میں پارکوں اور تفریح گاہوں میں حسن نظارہ اور تفریح کی لذت فراہم کرتا ہوں۔ میں زراعتی زمین کو بہتر بناتا ہوں۔ فصلوں اور پھلوں کو ہواؤں کے جھکڑ سے بچاتا ہوں۔ میں دوائیں فراہم کرتا ہوں، میری چھال اور پتیاں جو بے شمار کاموں میں استعمال ہوتی ہیں ان کا ذکر ممکن نہیں۔ گیس اور پٹرول اور آگ بھی مجھ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم ۱۴: ۳۴)

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتے"۔

بدقسمتی سے انسان ترقی اور دولت کے لالچ میں تیزی سے درخت اور جنگلوں کا صفایا کر رہا ہے۔ وہ نادان ہے نہیں جانتا کہ اس کے رب نے اس کی زندگی کو کس طرح میرے ساتھ باندھ دیا ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمن ۵۵: ۱۳)

"تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (الرحمن ۵۵: ۶)

"اور تارے اور درخت سجدہ ریز ہیں"۔

کبھی تم نے سوچا، یہ بیج جو تم بوتے ہو، ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ۔

لوگو، بندگی کرو اپنے رب کی .... وہی تو ہے جس نے اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمھارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ (الواقعہ ۵۶: ۶۳-۶۵)

معاہدۂ اوسلو ثانی: خود مختاری کا دھوکہ

مسلم سجاد

معاہدہ اوسلو نے جس کے طرز پر مسئلہ کشمیر حل کرانے کی بازگشت آج کل سنائی دے رہی ہے، اہل فلسطین کو خود مختاری کے نام پر کیا دیا ہے؟ مشرق وسطیٰ میں امن کے قیام اور عرب ممالک کے اسرائیل سے تعلقات کی بحالی کے لیے اس معاہدے کو بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ فلسطینیوں کے سامنے یہ نقشہ پیش کیا جا رہا ہے کہ جیسے ان کی آزاد ریاست قائم ہو گئی ہے اور مغربی کنارے سے اسرائیل کا قبضہ ختم ہو گیا ہے آنکھوں میں دھول جھونکنا ہو تو الگ بات ہے، ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ ۲۸ ستمبر کو رابن اور عرفات نے امریکی سرپرستی میں جس معاہدۂ اوسلو ثانی پر دستخط کیے ہیں اس نے اسرائیلی قبضہ کو قانونی قرار دینے اور مستحکم کرنے کی بنیاد رکھی ہے۔ پہلے معاہدہ میں جو امور غیر طے شدہ چھوڑے گئے تھے، وہ اب اسرائیل کے حق میں طے کر دیے گئے ہیں۔ اس معاہدے کی رو سے اسرائیل مغربی کنارے کے ۷۳ فیصد علاقے اور ۶۸ فیصد فلسطینیوں پر اپنا کنٹرول اور حکومت باقی رکھے گا۔ اسرائیل نے صرف ۶ قصبات سے اسرائیلی فوج کے انخلا، ہیبرون کے حساس شہر سے جزوی انخلا اور ۴ سو متفرق دیہاتوں سے اپنا سول کنٹرول ختم کرنا تسلیم کیا ہے۔ فلسطینیوں کو صرف ۴ فیصد رقبے پر اور ۲۲ فیصد آبادی پر کنٹرول حاصل ہو رہا ہے۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسرائیل کو پی۔ ایل۔ اے (فلسطینی نیشنل اتھارٹی) کے کسی بھی فیصلہ کو ویٹو کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس طرح اپنا قبضہ برقرار رکھ کر اسرائیل نے یہ اختیار حاصل کر لیا ہے کہ وہ ان علاقوں میں ترقی کے راستے مسدود کرنے کی اپنی روایتی پالیسی کو جاری رکھے۔ یہ اقدامات اس نوعیت کے ہیں کہ نہ صرف یہ علاقے پسماندہ رہیں بلکہ یہاں ترقیاتی کام کیے ہی نہ جا سکیں۔ اسرائیل کا مقصد یہ تھا کہ فلسطین کی زمین اور وسائل کو یہودی ریاست کا حصہ بنایا جائے اور فلسطینیوں کو اسرائیلی ریاست کی تعمیر میں مزدوروں کی طرح استعمال کیا جائے۔ مقامی آبادی سے سب کچھ چھین لیا جائے تاکہ وہ خود مجبوراً جلاوطن ہو جائیں۔ ۱۹۶۷ سے اب تک اسرائیل نے مغربی کنارے اور غزہ کی ۵۰ فیصد سے زیادہ زمینوں پر یہودیوں کو آباد کیا ہے۔ ہزاروں دیہاتیوں کو ان کی زمین سے محروم کر دیا ہے اور

زرعی معیشت کو اسرائیل پر منحصر معیشت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اسرائیل نے مغربی کنارے کے چشموں کے ۸۰ فیصد اور غزہ کے ۹۰ فیصد پانی کو اپنے استعمال میں لے کر کئی علاقوں کو بنجر کر دیا اور فلسطینی پینے کے پانی کو بھی ترس گئے۔ ۱۹۹۰-۱۹۹۱ میں اسرائیل نے ایک لاکھ ۲۰ ہزار مزدوروں کو کام پر لگایا' اب یہ تعداد کم کر کے ۲۰ ہزار کر دی گئی ہے۔ آج مغربی کنارے کے علاقوں میں ۵۰ فیصد اور غزہ کے علاقے میں ۶۰ فیصد بیروزگاری ہے۔

اسرائیل نے زمین' پانی اور مزدوروں کا ایک پالیسی کے تحت اس طرح استعمال کیا ہے کہ اسرائیل کی زرعی اور صنعتی پیداوار کو تحفظ ملے اور فلسطینیوں کے لیے اپنی آزاد زرعی اور صنعتی معیشت کا قیام ناممکن ہو۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کے کام آنے والے عرب بنک بند کر دیے اور اسرائیلی بنکوں سے ان کے لیے قرضوں کا حصول ناممکن بنا دیا۔ انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کی ایک رپورٹ کے مطابق جان بوجھ کر غیر معمولی زائد ٹیکس عائد کیے گئے اور پھر زبردستی وصول کیے گئے تاکہ بچت سے سرمایہ کاری نہ کی جا سکے۔ ترقی کی راہیں مسدود کرنے کے لیے موجود انفرا اسٹرکچر اور ضروری اداروں کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ شہری آبادی کی ضروریات کے لیے کچھ نہیں کیا گیا اور دیہاتوں کو پانی' بجلی اور سڑکوں کے بغیر رہنے دیا گیا۔ اسکول اور ہسپتال بہت کم تعداد میں کھولے گئے۔

اسرائیل کی پالیسیاں 'کامیابی' سے ہمکنار ہوئی ہیں اور قبضہ کے پہلے ۲۰ برسوں میں ۲ لاکھ ۵۰ ہزار فلسطینی اپنا ملک چھوڑ گئے۔ معاہدۂ اوسلو کے بعد بھی اسرائیل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان علاقوں میں ترقی نہ ہونے دے۔ دو سال قبل پہلے اوسلو معاہدے پر دستخط کے بعد سے اسرائیل نے بار بار ویٹو استعمال کیا ہے تاکہ فلسطینیوں کی قیمت پر اسرائیلی مصنوعات کو تحفظ دے۔ ایسے وقت میں جبکہ فلسطینی تعمیرات کرنا چاہتے ہیں' اردن اور مصر سے سستے سیمنٹ کی درآمد پر پابندی ہے۔ اسرائیل مغربی کنارے اور غزہ پر اپنے دعوے سے دستبردار نہیں ہوا ہے۔ عملاً اس کا اختیار قائم ہے۔ فلسطین کی پوری سرزمین پر عظیم تر اسرائیل کا خواب آج بھی صیہونیوں کی منزل ہے۔

اسرائیل کی اصل کامیابی اور اس معاہدہ کا اصل نقصان یہ ہے کہ آزادی کی جدوجہد کرنے والے حماس کے نوجوان اب خود فلسطینیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ قوم کو فروخت کرنے والے اور سستا فروخت کرنے والے 'راہ نما' آج امت مسلمہ کے تقریباً ہر ملک میں اقتدار سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہی آج کی ملت اسلامیہ کا المیہ ہے (ماخوذ از ہائیکل جینسن The Second Oslo Award' روزنامہ ڈان' کراچی)

رسائل و مسائل

اقامت دین اور تزکیہ نفس

اقامت دین کی دعوت سے تمام و کمال اتفاق کے باوجود ذہن میں یہ سوال بار بار ابھرتا ہے کہ دین کو برپا کرنے کے لیے جس صحبت کامل' جس سیرت سازی اور جس نظر کیمیا اثر کے اعلیٰ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے وہ کوئی پھر کہاں سے لا سکتا ہے۔ آج جب کہ نہ وہ پاکیزہ صحبت' نہ وہ بے خطا قیادت' اور نہ مخاطبین میں وہ اہلیت و کیفیت' اور اس پر آج کے شرور و فتن کا فکر و ذہن پر استیلا ہے تمام' ایسی حالت میں کیا مخلصین مجاہدین کی وہ جماعت برپا ہو سکے گی؟ اس کا تصور بھی دشوار ہے۔ چنانچہ کام اگرچہ جاری ہے اور افراد میں تبدیلیاں بھی ہو رہی ہیں مگر جس ایمان کامل کی گرمی' جس زندہ یقین کے مظاہر اور جس خلوص مقصد کی تاثیر صحابہ میں ایمان لانے کے بعد ہی محسوس ہونے لگتی تھی' وہ مجھے اپنے یہاں بلحاظ مراتب اور ایک مدت کے بعد بھی دکھائی نہیں دیتی' الا ماشاء اللہ۔ اس کا کوئی قابل اطمینان حل تلاش نہیں کر سکا' اس لیے جناب کو تکلیف دے رہا ہوں۔ دل میں اس دعوت کا یقین کیسے پیدا ہو اور اس پر ایمان کیسے زندہ ہو' اس کی تدبیر اب تک سمجھ میں نہیں آئی۔

یہ خلجان جس کا ہمارے محترم رفیق نے اظہار کیا ہے' اس سے وقتاً فوقتاً ہمیں سابقہ پیش آتا رہتا ہے اور متعدد مواقع پر اس کو رفع کرنے کی کوشش کی جا چکی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ خلجان پوری طرح رفع نہیں ہو سکتا جب تک آدمی اس کی تشخیص اور اس کا علاج باقاعدگی کے ساتھ نہ کرے۔ پہلے اس کا سرا تلاش کیجیے کہ یہ شروع کہاں سے ہوتا ہے۔

غالباً اس کی ابتدا اس مقام سے ہوتی ہے کہ آپ ''اقامت دین'' کا جب تصور کرتے ہیں تو معا آپ کے سامنے دور نبوت اپنی ساری تابناکیوں کے ساتھ آ جاتا ہے' اور اس خیال سے آپ کا دل بیٹھنے لگتا ہے کہ وہ عظیم رہنما اور وہ بے نظیر کارکن آج کہاں ہیں جن کے ہاتھوں یہ کام اس وقت ہوا تھا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ اسی ابتدائی مقام پر پھر واپس پہنچ جائیے' اور کسی دوسرے سوال پر غور کرنے یا آگے بڑھنے سے پہلے' اپنے دل کا جائزہ لے کر تحقیق کیجیے کہ یہ سوال آپ کے دل میں ابھرتا ہے تو اس کے ساتھ کس قسم کے رجحانات آپ کے نفس کو اپنی طرف

کھینچنا شروع کرتے ہیں؟ آپ گہرا جائزہ لیں گے تو نمایاں طور پر دو رجحانات کی کشش آپ کو خود محسوس ہوگی۔

ایک یہ کہ مایوس ہو جاؤ۔ اب نہ وہ رہنما اور وہ کارکن میسر آئیں گے ' نہ یہ کام ہو سکے گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ پورے دین کی اقامت کا تصور ہی چھوڑ دو۔ جو کام ہو نہیں سکتا اس کے پیچھے پڑنے سے کیا حاصل؟ دین کی جزوی خدمات میں سے کوئی ایک خدمت اپنے ہاتھ میں لے لو اور جیسی کچھ بری بھلی بن آئے کرتے رہو۔ میں ذاتی تجربات و مشاہدات کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ اولین رجحان ہے جو اس مقام پر آدمی کے سامنے آتا ہے ' اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ پہلا دھوکا ہے جو شیطان ایک نیک نفس مسلمان کو دیتا ہے ' تاکہ وہ اقامت دین کے نصب العین سے کسی طرح باز آجائے۔ اس لیے آگے کی کوئی بات سوچنے سے پہلے آپ کو چاہیے کہ اس فریب کو اول قدم ہی پر پہچان لیں اور اگر آپ نیک نیت ہیں تو پورے شعور اور عزم کے ساتھ اپنے ذہن میں پہلے اس کا اچھی طرح قلع قمع کر دیں۔

دوسرا رجحان جو اس کے بعد سامنے آتا ہے یہ ہے کہ یہ کام ہے تو بے شک ضروری اور فرض ' مگر اس کے لیے رہنماؤں اور کارکنوں میں وہی روحانی و اخلاقی اوصاف درکار ہیں جن کی بدولت عہد نبوی میں یہ کام ہوا تھا۔ لہٰذا پہلے ویسے بن جاؤ اور اس طرز کے آدمی بنا لو ' پھر اس کام میں لگو۔ یہ دوسرا دھوکہ ہے جو پہلے دھوکے سے بچ نکلنے والے کو شیطان رجیم دیا کرتا ہے۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ یہ شخص اس نصب العین پر جم گیا ہے اور اس سے ہٹنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا ' تو پھر وہ اس کو فکر کے بجائے تدبیر کی ایک غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ بے شک دریا پار جس منزل مقصود کی طرف تو جانا چاہتا ہے وہ ہے تو منزل مقصود ہی ' مگر بے وقوف ' تیرنا سیکھے بغیر دریا میں اترے گا؟ پہلے دریا سے باہر خشکی پر تیرنے کی مشق اچھی طرح کر لے ' پھر دریا میں قدم رکھ! اس طرح وہ ناصح مشفق ' آدمی کو واقعی بے وقوف بنا دیتا ہے ' اور جو لوگ اس کے داؤں سے مات کھا جاتے ہیں وہ سب نہ صرف خود خشکی پر تیراکی کی مشق شروع کر دیتے ہیں ' بلکہ جن جن لوگوں کو اپنے ساتھ لے چلنا چاہتے ہیں ان کو بھی خشکی کا تیراک بنانے میں خوب مہارت فن دکھاتے ہیں۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان ماہرین فن کو اکثر تو عمر بھر دریا میں اترنے کی ہمت نہیں ہوتی ' اور اگر کبھی اتر جاتے ہیں تو زمین پاؤں تلے سے نکلتے ہی یا غرق ہو جاتے ہیں ' یا دریا کے بہاؤ پر بہہ نکلتے ہیں۔ کیونکہ دریا سے باہر خشکی پر تیراکی میں جو کمال پیدا کیا جاتا ہے وہ دریا کی روانی سے پہلا سابقہ پڑتے ہی کالعدم ہو جاتا ہے۔

آپ شیطان کے اس دھوکے کو بھی اچھی طرح پہچان لیں ' اور اگر واقعی خدا کی راہ میں کچھ کرنا

چاہتے ہیں تو اپنے دل کو اس کی ہر کھٹک سے صاف کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں۔ ورنہ راستے میں ہر قدم پر یہ آپ کے اندر بھی کمزوری پیدا کرتا رہے گا، اور آپ کے توسط سے دوسرے بہت سے ساتھیوں تک بھی اس کا اثر متعدی ہو گا۔

ان دونوں رجحانات کی غلطی کو اگر آدمی آغاز ہی میں محسوس کر لے تو وہ اس طریق تزکیہ و تربیت کو آپ سے آپ ترجیح دے گا جسے ہم نے ترجیح دی ہے۔ کچھ دوراہے ایسے آتے ہیں جن میں سے ہر ایک پر پہنچ کر آدمی کا دل چاہتا ہے کہ دائیں یا بائیں مڑ جائے۔ اور اگر وہ نہ مڑے تب بھی آگے چلتے ہوئے بار بار اس کے دل میں ایک کھٹک محسوس ہوتی ہے کہ وہ ان میں سے کسی موڑ پر کیوں نہ مڑ گیا، بلکہ بسا اوقات یہاں تک جی چاہنے لگتا ہے کہ پلٹے اور انھی میں سے کسی موڑ کی طرف مڑ جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص تحقیق میں بے جا عقیدتوں اور موروثی تعصبات کو دخل نہ دے گا اور ٹھنڈے دل سے بے لاگ تحقیق کرے گا تو اس معاملہ میں پورا اطمینان ہو جائے گا کہ اقامت دین کے لیے ہمیں اسی طریقہ تزکیہ پر اعتماد کرنا ہو گا جو قرآن اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔

اس موڑ کو جو شخص پورے اطمینان کے ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھتا ہے، اسے ذرا آگے چل کر ایک اور مقام پر حیرانی پیش آتی ہے۔ سیرت نگاروں نے عہد صحابہ کی شخصیتوں کے جو مرقعے کھینچے ہیں وہ اس کی نگاہ میں گھومنے لگتے ہیں اور یہ دیکھ کر اس کا دل پھر بیٹھنے لگتا ہے کہ ان کتابی مرقعوں سے ملتی جلتی شخصیتیں تو کہیں نظر نہیں آتیں، پھر بھلا یہ کام کیسے ہو گا؟---

[لیکن] جس شخص کو خیالی دنیا میں نہ رہنا ہو بلکہ واقعی دنیا میں کچھ کرنا ہو، اسے اس خیال خام میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ گوشت پوست کے انسان کبھی بشری کمزوریوں سے بالکل منزہ اور تمام مثالی کمالات کا مرقع بن سکیں گے۔ آپ حد کمال کو نگاہوں سے اوجھل تو نہ ہونے دیں، اور اس تک خود پہنچنے اور دوسروں کو پہنچانے کی کوشش بھی جاری رکھیں، مگر جب کہ عملاً خدا کی راہ میں کام کرنا اور ہزارہا آدمیوں سے کام لینا ہو، تو قرآن و سنت کے مطابق دین کے تقاضوں اور مطالبات کی حد اوسط آپ کو نگاہ میں رکھنی پڑے گی، جس پر آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا قائم ہو جانا راہ خدا میں کام کرنے کے لیے کافی ہو، اور جس سے نیچے گر جانا قابل برداشت نہ ہو۔ یہ حد اوسط خود ساختہ نہ ہونی چاہیے۔ اس کا ماخذ خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت ہی ہونی چاہیے۔ لیکن بہرحال اس حد کو سمجھنا اور نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی عملی کام آدمی نہیں کر سکتا۔ صدر اول میں جن لوگوں سے خدا کا کام لیا گیا تھا وہ سب بھی نہ یکساں تھے اور نہ ان میں سے کوئی بشری کمزوریوں سے مبرا تھا۔ آج بھی جن لوگوں کے ہاتھوں یہ کام ہو گا وہ ہر طرح کی کمزوریوں سے پاک نہ ہوں گے۔ یہ خوبی

نظام جماعت میں ہونی چاہیے کہ وہ مجموعی طور پر ایک صالح اور حکیمانہ نظام ہو، اور اس کے اندر یہ استعداد بھی موجود ہو کہ افراد اس میں شامل ہو کر دین حق کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دیں اور ان کی کمزوریاں بروئے کار آنے کے کم سے کم مواقع پائیں۔

ان سب الجھنوں سے بچ نکلنے کے بعد پھر بھی آدمی کے دل میں یہ خلجان باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے جن رفقا کے ساتھ وہ اقامت دین کے لیے کام کر رہا ہے وہ معیار مطلوب سے بہت نیچے ہیں، اور ان کے اندر بہت سے پہلوؤں میں ابھی بہت خامیاں پائی جاتی ہیں۔ اس خلجان سے میں نے اپنے کسی رفیق کو بھی خالی نہیں پایا ہے اور میں خود بھی اس سے خالی نہیں ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہ خلجان ہمیں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خامیاں دور کرنے پر اکساتا ہے، اور ان صحیح ذرائع و وسائل کی تلاش اور ان کے استعمال پر آمادہ کرتا ہے جن سے یہ خامیاں دور ہوں، تو مبارک ہے یہ خلجان۔ اسے مٹنا نہیں، بلکہ بڑھنا چاہیے۔ کیوں کہ ہماری ساری اخلاقی و روحانی ترقی کا انحصار اسی خلجان کی پیدا کی ہوئی خلش پر ہے۔ جس روز یہ مٹا اور ہم اپنی جگہ مطمئن ہو گئے کہ جو کچھ ہمیں بننا چاہیے تھا وہ ہم بن چکے، اسی روز ہماری ترقی بند ہو جائے گی اور ہمارا تنزل شروع ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ خلجان ہمیں مایوسی اور فرار پر آمادہ کرتا ہو تو یہ خلجان نہیں وسوسہ شیطان ہے۔ جب بھی اس کی کھٹک محسوس ہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھیے اور اپنے کام میں لگ جائیے۔ اگر آپ واقعی خدا کا کام کرنے اٹھے ہیں تو خوب سمجھ لیجیے کہ ایسے وساوس سے اپنے دل کو فارغ کیے بغیر آپ کچھ نہ کر سکیں گے۔ اس وقت شیطان کے لیے اس سے زیادہ مرغوب کوئی کام نہیں ہے کہ آپ کے سامنے جماعت اسلامی کی ہر خوبی کو بے قدر اور بے وزن کر کے پیش کرے اور اس کی یا اس کے افراد کی ہر کمزوری کو بڑھا چڑھا کر دکھائے تاکہ آپ کسی نہ کسی طرح دل چھوڑ بیٹھیں۔ [سید ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل و مسائل، ج ۴، ص ۵۵۴-۵۶۵] (تلخیص)

پراویڈنٹ فنڈ اور سود

ترجمان القرآن (ستمبر ۹۵) میں پراویڈنٹ فنڈ کے بارے میں میرا ایک جواب شائع ہوا تھا۔ بعض احباب کو اس کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوگئی ہے اس لیے مزید وضاحت پیش خدمت ہے:

(۱) میں نے جس اضافی رقم کے بارے میں کہا ہے کہ یہ سود نہیں ہے اس سے مراد وہ رقم ہے جو آجر اپنے ملازم کی تنخواہ سے کاٹی گئی رقم کے مساوی یا کم و بیش اپنی طرف سے جمع کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس کو بھی سود کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا ہے کہ یہ سود نہیں ہے اس لیے کہ سود کہتے ہیں "قرض پر

اضافہ" لینے کو اور یہ رقم اجرت پر اضافہ ہے 'قرض پر اضافہ نہیں ہے۔ اور اس کی حیثیت یا تو عطیے اور اعانت کی ہے یا یہ بھی اجرت کا حصہ ہے۔ یہ رقم قرض اس لیے نہیں ہے کہ جب ملازم کے قبضے اور ملکیت میں آئی ہی نہیں ہے اور نہ وہ وقت مقررہ سے پہلے وصول کر سکتا ہے تو اس نے قرض کیسے دے دیا؟ یہ تھا میرے جواب کا حاصل مفہوم کہ سرکاری ملازم کو مدت ملازمت پوری ہونے پر پنشن میں سے جو رقم اس کے پراویڈنٹ فنڈ کے علاوہ دی جاتی ہے وہ بھی جائز ہے اور سود نہیں ہے اور نیم سرکاری اداروں یا پرائیویٹ کمپنیوں کی طرف سے اپنے ملازمین کی تنخواہ سے کاٹی گئی رقم کے مساوی یا کم وبیش جو اضافی رقم اپنی طرف سے دی جاتی ہے وہ بھی سود نہیں ہے۔

(۲) باقی رہی یہ بات کہ ملازم کے پراویڈنٹ فنڈ کو سودی اکاؤنٹ میں رکھ کر یا سودی کاروبار میں لگا کر اس کا سود ملازم کے فنڈ میں جمع کرنا اور مدت ملازمت پوری ہونے پر ادا کرنا' یہ بات جواب لکھتے وقت نہ میرے ذہن میں تھی اور نہ اس کے جائز ہونے کا ذکر میرے جواب میں موجود ہے۔ میں درخواست کروں گا کہ جواب کو دوبارہ پڑھ لیجیے۔ آپ کو اس میں یہ بات نہیں ملے گی کہ اس فنڈ کو سودی کاروبار میں لگا کر سود وصول کرنا اور ملازم کے حساب میں جمع کرنا بھی جائز ہے۔ جو بات کہی گئی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ آجر اپنی طرف سے ملازم کو اس کی تنخواہ سے کاٹی رقم کے علاوہ جو اضافی رقم دیتا ہے وہ جائز ہے اور سود نہیں ہے۔ (گوھر رحمن)

منشورات

کون بھلا آدمی نہیں چاہتا کہ بھلائی کی بات، کلمہ خیر، آگے بڑھے، نشر ہو، پھیلے۔ منشورات نے ترجمان القرآن کے اہم مضامین کے ری پرنٹس ارزاں نرخ پر فراہم کر کے آپ کے لیے آسانی پیدا کر دی ہے۔

آپ کسی انجمن کے ذمہ دار ہیں اور ممبران کو بھلائی کی بات پہنچانا چاہتے ہیں'

آپ کسی تعلیمی ادارہ کے سربراہ ہیں اور طلبہ اور والدین کو کوئی ہدیہ دینا چاہتے ہیں'

آپ مسجد میں کوئی نفع کی چیز تقسیم کرنا چاہتے ہیں'

آپ کسی عوامی جگہ پر خیر پھیلانا چاہتے ہیں'

آپ معاشرہ کی اصلاح کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں، تو

یہ ری پرنٹس آپ کے لیے ہیں!

سال کا اختتام. آمد رمضان کی نوید لا رہا ہے، منشورات اس موقع پر کئی چیزیں پیش کر رہا ہے - استقبال رمضان کی تیاری کیجیے -

اجتماع کے موقع پر سابقہ ۱۱ کتابچوں کے علاوہ متعدد کتابچے پہلی دفعہ

ازراہ کرم ..اب کم کا آرڈر نہ دیجیے اور نقد ادائگی کیجیے یا ڈرافٹ ارسال کیجیے تاکہ یہ کام جاری رہے، کلمہ خیر نشر ہوتا رہے۔

منشورات

ترجمان ری پرنٹس سروس

منصورہ، لاہور 54570، فون: 7570124 فیکس: 7832194

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی

مشرح انگریزی کتابیات

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر ایک جامع مشرح کتابیات کی تیاری ایک مستقل نوعیت کا کام ہے۔ہم یہاں حال ہی میں شائع ہونے والی آصف حسین کی کتاب Islamic Movements in Egypt, Pakistan and Iran, مشرح کتابیات میں پاکستان کے باب میں سے کچھ متعلقہ کتب اور مقالات کا تذکرہ پیش کر رہے ہیں۔

ABBOT, Freeland, "The Jammaat-i-Islami of Pakistan". The Middle East Journal, Vol. II, No. 1. Winter, 1957. Pp. 37-51
جماعت کی سیاسی سرگرمیوں کا ایک اہم مطالعہ۔مصنف کے خیال میں سیاست موقع پرستی کا تقاضا کرتی ہے' اس لیے جماعت اپنی اصول پرستی کی وجہ سے تضاد اور الجھن کا شکار ہوگئی ہے۔

ADAMS, C.J., "The ideology of Maulana Maududi" in D. E. Smith (ed.) South Asia politics and religion. Princeton, NJ: Princeton University Press, 1966 Pp.371-397
اس اہم مقالہ میں مصنف نے مولانا مودودی کی زندگی' ان کے نظریہ اسلامی اور ان کے اسلامی ریاست کے تصور کا مطالعہ کیا ہے اور نتائج اخذ کیے ہیں۔اس کی نظر میں ان کی مقبولیت کی تین وجوہات ہیں' ان کی بات مذہب کے حوالے سے تھی' جماعت کی قیادت میں مخلص اور دیانتدار افراد تھے' وہ منطقی اور مربوط بات کرتے تھے۔مصنف کی رائے میں 'مولانا مودودی تاریخ کی پیداوار ہیں۔وہ اسلام کو من و عن پیش نہیں کرتے۔حالات و ضروریات کا لحاظ 'مجدد دین کی طرح' ان کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔وہ جدت پسندی کو مسترد کرتے ہیں لیکن انھیں یہ احساس نہیں کہ خود ان کی تشکیل میں بھی جدت پسندی کے اثرات ہیں۔انھوں نے ایک نظام تخلیق کیا۔

AHMAD, AZIZ, "Maududi and orthodox fundamentalism in Pakistan" The Middle East Journal, Vol. XXI, Summer, 1967, Pp. 369-380

مقالہ سے مولانا مودودی سے زیادہ خود مصنف کے اپنے مغرب زدہ تصورات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ مولانا مودودی نے سیاسی میدان میں موقع پرستی' مصالحت اور حکمت عملی تبدیل کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسلامی قوانین از کار رفتہ نہیں ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے تسلسل سے موجود رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں رہنے والے مسلمان عقائد' طرز فکر' اخلاقی اقدار' مراسم عبودیت اور عام دنیاوی معاملات میں یکسانی اور ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

AHMAD, Mumtaz, "Class, power and religion: some aspects of Islamic fundamentalism in Pakistan", Paper presented at the Conference on Islamic Revival, Center for Middle Eastern Studies, University of Chicago on May 28-31, 1980

اس اہم مقالہ میں پاکستان میں بنیاد پرستی کی معاشرتی بنیادوں اور حدود کا جائزہ لیا گیا ہے۔

AHMAD S.A. Maulana Maududi and the Islamic State, Lahore. Peoples Publishing House, 1976.

اس مقالہ میں اسلام کی سیاسی فکر کے ارتقا اور ریاست کے کردار کے بارے میں حالیہ فکر میں مولانا مودودی کے حصہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ قیام پاکستان میں ان کا کردار 'قوم پرستی اور اس طرح مسلم لیگ' کی مخالفت کا تھا۔ پاکستان میں دستور سازی کے عمل میں ان کے اہم کردار کے ضمن میں تھیوکریسی' جمہوریت' اسلامی ریاست' جہاد' معاشی نظام اور غیر مسلموں اور عورتوں کے مقام پر ان کے موقف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ANSARI, Zafar I., "Islamic Movements in the Indo-Pakistan sub-continent: Jamaat-i-Islami, Pakistan". Paper presented at the International Islamic Conference held in London in April by the Islamic Council of Europe, 1976.

جماعت کے نظریہ اور پروگرام کا گہرا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ مصنف کے بقول مستقبل کا مورخ پاکستان کی سیاست میں جماعت کے موثر کردار کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ معاشرہ میں تبدیلی لانے کے لیے جمہوری ذرائع پر جماعت کے اعتماد کی وجہ سے ان کی سرگرمیاں پر امن اور دستوری رہی ہیں۔

BAHADUR, Kalim, The Jamaat-i-Islami of Pakistan: political thought and

political action. New Delhi: Chetana Publications, 1977
جماعت کے سیاسی کردار کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ قبل تقسیم تحریک پاکستان کے بارے میں جماعت کے رویے پر بحث کی گئی ہے اور ایوب ' یحییٰ اور بھٹو ادوار پر علیحدہ ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ مصنف کی رائے میں جماعت جدید دور کے چیلنج کے اہم ترین جواب کی نمایندہ ہے۔

BINDER, Leonard, Religion and politics in Pakistan. Berkeley, Calif: University of California Press, 1961.
مصنف اسلام کے بارے میں حکومت اور علما کے مختلف نظریات پر بحث کرتا ہے۔ دوسرے گروہ کا اہم ترین نمایندہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو قرار دیتے ہوئے مولانا مودودی کے حالات زندگی اور جماعت کی تاریخ بیان کرتا ہے۔ مصنف کے خیال میں جس حد تک پاکستان میں جمہوریت خام ہے (خواندگی اور معاشی ترقی کی بنیاد نہ ہونے کے حوالے سے) اس حد تک حقیقی سیاسی مسائل کے بجائے اسلام پر زور دیا جاتا رہے گا۔

HUSSAIN, Asaf, Elite politics in an ideological state: the case of Pakistan. Folkestone, Kent: William Dawson & Sons Ltd., 1979
پاکستان کے سیاسی نظام میں چھ اشرافی طبقات کا کردار پیش کیا گیا ہے۔ جاگیردار ' بیوروکریٹ ' جنرل ' صنعتکار ' پیشہ ور ماہرین ' مذہبی طبقے۔ مذہبی طبقے اپنے رجحانات کے لحاظ سے دینی سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہیں۔ ان میں اہم ترین جماعت اسلامی ہے۔ ایک خصوصی باب میں جماعت کے سیاسی کردار پر گفتگو کی گئی ہے۔

LATIFF, M.R.A, "The way ahead for Jamaat-I-Islami", Part I Saura al-Islam, Vol. 3, Nos. 9-10, September-October, 1977. Pp.6-9.17
پاکستانی سیاست میں جماعت کے کردار پر بحث میں مثبت اور منفی پہلو پیش کیے گئے ہیں۔ اسلامی نظام حیات کے قیام کی جدوجہد ' ارکان کا نظم وضبط ' معاشرہ کے حالات سے اسلامی تعلیمات کا ربط ' اس کے مثبت پہلو ہیں۔ یہ ایک چھوٹی پارٹی ہے اور ملک کی ۸۰ فیصد دیہی آبادی پر اس کے کوئی اثرات نہیں۔ شہروں میں ' جہاں اس کے اثرات ہیں ' مغربی اثرات اور لبرل رجحانات میں مسلسل اضافہ ہے۔ ان کی طاقت کا منبع عوام کی اخلاقی حالت میں تبدیلی نہیں بلکہ ان کی اعلیٰ تنظیم ہے۔

McDONOUGH, S., "Pakistan", The Muslim World, Vol. LVI, No. 4,

October 1966. Pp 262-269.

یہ رسالہ ''مسلم ورلڈ'' کا ''سیاست اور اسلام'' پر خصوصی شمارہ ہے۔ مصنف نے پاکستان کے تناظر میں مذہب و سیاست کی کشمکش پر بحث کی ہے اور مولانا مودودی کو مذہبی عناصر کا رہنما قرار دیا ہے۔ ان کا نصب العین صالح افراد کی حکومت ہے اور نظریہ یہ ہے کہ صالح افراد تربیت دے کر تیار کیے جاسکتے ہیں۔ ان کی کشش ان کے خیالات سے زیادہ ان کی شخصیت میں ہے۔

MAHMOOD, Safdar. A political study of Pakistan Lahore: Sheikh Muhmmad Ashraf, 1978.

پاکستان کی سیاست میں جماعت کے کردار پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے کہا ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کی منظم پارٹی ہے لیکن اپنی محدود رکنیت کی وجہ سے یہ دوسری سیاسی پارٹیوں کی طرح عوامی جماعت نہیں بن سکی۔

MEHDI, Sibte, "The way ahead for Jamaat-i-Islami". Saura al-Islam, Vol.5, No. 1, January, 1979. Pp.8-16.

مصنف کے خیال میں 'جماعت کو اپنی مصالحانہ روش ترک کر دینا چاہیے۔ اس نے اس کا انقلابی تشخص مجروح کر دیا ہے۔ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے جماعت کو اسلام کا قلعہ بنانا چاہیے' معاشی اصلاحات کا پروگرام دینا چاہیے' کارکنوں کو مسلح کرنا چاہیے اور اقتدار پر قبضہ کرنا چاہیے۔ تنقید اور جائزہ کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔

QURESHI, I. H., Ulama in politics. Karachi: Maaref Pblishers Ltd., 1971.

مصنف نے 1556 سے 1947 تک سیاست میں علما کے کردار کا جائزہ لیا ہے۔ مولانا مودودی نے قوم پرست علما کے موقف کو مسترد کیا اور مسلمانوں کے علیحدہ تہذیبی گروہ ہونے کے حق میں دلائل دیے۔ قیام پاکستان پر مولانا مودودی کے موقف کے حوالے سے مصنف نے ان کی تین متبادل تجاویز کا ذکر کیا ہے۔ ان کا مقصد ایک اسلامی معاشرہ کا قیام تھا نہ کہ ایک سیکولر ریاست کا۔ مصنف کے خیال میں مولانا مودودی کی علمی برتری' منطقی استدلال اور قانون و سیاست کے وسیع علم نے مخالفین کے لیے ان کے دلائل کو مسترد کرنا مشکل بنا دیا۔ قبل تقسیم کے دور میں وہ ایک اہم' نمایاں اور سیاسی طور پر سرگرم عالم تھے۔

RAHMAN, Fazlur. "Current religious thought in Pakistan". Islamic Studies.

Vol. VII, No.1, March 1968. Pp.1-7
مصنف نے جماعت کو ایک اہم مذہبی فکر کی حیثیت دی ہے۔ جماعت کا آغاز جزوی لبرل قوت کی حیثیت سے ہوا تھا لیکن یہ بعد میں قدامت پسند ہوگئی۔ مصنف یہ سوال اٹھاتا ہے کہ اگر مولانا مودودی سیاست میں نہ آتے تو کیا وہ قائم شدہ نظام سے مسلسل کشمکش میں رہنے کی وجہ سے حقیقی طور پر ایک لبرل طاقت کی حیثیت سے کام نہ کرتے؟

RAHMAN, Fazlur, "Implementation of the Islamic concept of state in the Pakistani milieu", Islamic Studies, Vol. VI, No. 3, 1967. pp. 205-224.
اسلام کے تصور ریاست کے نفاذ اور اس کے بارے میں جماعت کے نظریات پر بحث کی گئی ہے۔

ROSENTHAL, E. I. J., Islam in the modern national state, Cambridge: Cambridge University Press, 1965.
مصنف نے غلام احمد پرویز اور سید ابو الاعلیٰ مودودی کے خیالات کا جائزہ لیا ہے۔ پاکستان کے سیاسی نظام پر مولانا مودودی کی نگارشات اور افکار کے اثرات اصل موضوع ہیں۔ ان کے نظریات قدیم ہوسکتے ہیں لیکن وہ ان کے لیے مذہبی جوش و جذبہ سے ہر محاذ پر جدوجہد کرتے ہوئے ایک پر عزم سیاسی شخصیت نظر آتے ہیں۔ حکومت نے ان کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے انھیں کئی دفعہ گرفتار کیا اور جیل میں رکھا۔

SAYEED, K. B., "The Jamaat-i-Islami movement in Pakistan." Pacific Affairs, Vol. 30, No.1, March 1957. Pp. 59-68.
مقالہ کا موضوع جماعت اور اس کے نظریات ہیں۔ رکن بنانے کی پالیسی ان کے اس نظریہ کی مظہر ہے کہ ایک گروہ کی ایسی تربیت کی جائے جو اسلام سے محبت کرنے والے ۹۰ فی صد عوام کی قیادت کر سکے۔ مولانا مودودی کے معاشی نظریات کا جائزہ لیتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے یہ صرف اسلام سے ماخوذ نہیں' وہ مارکس اور ہابسن سے بھی متاثر ہیں مگر وہ اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ بعض جدید اصطلاحات سے قطع نظر وہ انھی علما کی صف میں نظر آتے ہیں جنھیں وہ قدامت پسند اور ری ایکشنری قرار دیتے ہیں۔

SIDDIQUI, Kalim, Beyond the Muslim Nation States. London: The Open

Press Ltd., 1980. 16p.

مغرب کی سیاسی فکر اور اس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر پر بحث ہے۔ مصنف کے خیال میں آج مسلمان سب سے زیادہ سیاسی فکر میں ہی الجھاؤ کا شکار ہیں۔ اخوان اور جماعت اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام ہیں 'اپنی ہیئت 'قیادت کے اسٹائل اور بعض دوسرے انسانی اسباب کی وجہ سے۔

SMITH, Wilfred C., Islam in modern history. Princeton, NJ: Princeton University Press, 1957.

پانچویں باب "پاکستان : اسلامی ریاست" میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر دو صفحات دیے گئے ہیں۔ مصنف کہتا ہے کہ اگر یہ اپنا گروہ اقتدار میں لاسکیں تو وہ پاکستان میں اپنا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں ان افراد کے حقوق کی کوئی فکر نہیں جو ان کے زیرنگیں رہیں گے اور نہ ان افراد کی کمزوریوں کی فکر ہے جو ان کا نظام نافذ کریں گے۔ ان کی قوت کو کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ ایک منتشر صورت حال میں ان کی تحریک نے ایک مربوط اور پرزور کیس پیش کیا ہے۔

ZIRING, Lawrence, Pakistan: The enigma of political development Folkestone, Kent: Dawson & Sons, 1980.

پاکستان کی سیاسی تاریخ بیان کرتے ہوئے جماعت کے سیاسی کردار پر بحث کی گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ایک نظریاتی تحریک ہے۔ اپنے پروگرام پر عمل کے لیے ایک مختصر گروہ منظم کرنے میں خصوصاً یونیورسٹی کے نوجوانوں میں کامیابی حاصل کی ہے۔

K. Ahmad, Islamic Perspectives: Studies in Honour of Sayyid Abul A'la Maududi. Leicester: The Islamic Foundation, 1979.

اسلامک فاؤنڈیشن نے سید مودودی کی خدمات کے اعتراف میں یہ کتاب شائع کی ہے۔ اس کے درج ذیل تین ابواب متعلق ہیں:

AHMAD, K. and Z.I. Ansari, "Maulana Sayyid Abul A'la Maududi: an introduction to his vision of Islam and Islamic revival",

یہ مولانا مودودی کے اپنے معتقد کے قلم سے ایک مطالعہ ہے۔ دوسرے معروضی ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اندر کے آدمی کا بیان ہے۔ مقالہ کے تین حصے ہیں۔ مولانا مودودی کے حالات زندگی 'ان کا تصور اسلام 'ان کا تصور احیائے اسلام۔ تیسرے حصے میں تاریخ کا تصور 'احیائے اسلام کے

مقاصد اور حکمت عملی اور انقلاب یا اصلاح کے ابواب ہیں۔ مصنف کے خیال میں ''مولانا مودودی کے نظریات کے اثرات کے تحت آج دنیا کے مختلف حصوں میں سرگرمی نظر آتی ہے۔

BROHI, A. K.,"Mawlana Abul A'la Mawdudi: the man, the scholar, the reformer',.

مصنف نے مختلف مقدمات میں مولانا مودودی کے وکیل کی حیثیت سے کام کیا ہے اور ان کی شخصیت اور خیالات سے متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے خیال میں ' واحد شخصیت جس نے اسلامی حکومت کے حق میں رائے عامہ کو متحرک کیا ہے 'مولانا مودودی کی ہے۔

SIDDIQI, Q.Z., "A bibliography of writings by and about Maulana Sayyid Abul A'la Maududi',.

کتابیات کی اس فہرست میں مولانا مودودی کی ۱۴۸ تحریروں کو شامل کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں ان ۶۲ تحریرات کی نشاندہی کی گئی ہے جو مولانا مودودی پر 'بیشتر انگریزی اور اردو میں 'لکھی گئی ہیں۔

---- -- ----------

جماعت اسلامی ، ۱۹۴۱ تا ۱۹۴۷ : سید اسعد گیلانی۔ ناشر: فیروز سنز لیمٹڈ لاہور۔ صفحات: ۴۳۱۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

برعظیم ہندو پاکستان میں بہت کم ایسی تحریکیں اور جماعتیں ملیں گی جو زمانے کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے ' وقت کے دھارے میں اپنی شناخت برقرار رکھنے میں کامیاب رہی ہوں۔ جماعت اسلامی 'اس اعتبار سے ایک منفرد فکری و نظریاتی 'اور دینی وسیاسی تحریک ہے کہ اگست ۱۹۴۱ میں اقامت دین کے جس عظیم مشن کے ساتھ اس کا قیام عمل میں آیا تھا' اپنی عمر کے ۵۵ ویں برس میں بھی وہ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے پوری قوت کے ساتھ عملی جدوجہد میں مصروف ہے۔ جماعت نہ صرف پاکستان 'بھارت 'بنگلہ دیش اور سری لنکا میں احیاے اسلام کی علمبردار بن چکی ہے بلکہ اس نے دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں پر بھی مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ چنانچہ مغرب کے علمی حلقوں اور یونی ورسٹیوں میں مختلف زاویوں سے اور مختلف سطحوں پر جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو مطالعے کا موضوع بنایا گیا ہے۔ (انگریزی زبان میں مطبوعہ ایسی کتابوں اور مضامین کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے)

اردو میں معدودے چند معاندانہ اور مناظرانہ کتابوں سے قطع نظر' جماعت اسلامی کے سنجیدہ علمی

مطالعے کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں معاصر تحریکوں اور جماعتوں کی تاریخ نویسی اور ان کے تنقیدی و تجزیاتی مطالعے کی روایت کچھ زیادہ مستحکم نہیں ہے۔ ۱۹۸۹ء میں جناب آباد شاہ پوری کی کتاب "تاریخ جماعت اسلامی" منظر عام پر آئی تھی۔ (اس کا باقی حصہ مصنف کے زیر تحریر ہے۔) دوسری کاوش مرحوم سید اسعد گیلانی کی ہے' جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ دراصل ان کا تحقیقی مقالہ ہے' جس پر پنجاب یونی ورسٹی نے انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی تھی۔ مصنف نے اپنے مطالعے کو قیام جماعت سے ۱۹۴۷ء تک محدود رکھا ہے۔ پہلا باب تاریخی پس منظر پر مشتمل ہے' دوسرے باب بہ عنوان: "تشکیل جماعت اسلامی" میں ادارہ دارالاسلام پٹھان کوٹ کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے انھوں نے واضح کیا ہے کہ: "دارالاسلام بستی' دارالاسلام ٹرسٹ اور ادارہ دارالاسلام' تینوں علاحدہ علاحدہ چیزیں تھیں"۔ (ص ۱۴۱) اسی باب میں لاہور میں جماعت اسلامی کے اولین اجتماع' تشکیل جماعت' امیر جماعت کے انتخاب اور اہم فیصلوں کی روداد بیان کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں جماعت کی تنظیم و ارتقا اور رفتار کار' پر بحث کی گئی ہے۔ جماعت میں قیادت کے اصول اور نوعیت باب چہارم کا موضوع ہے۔ آخری دو ابواب میں شعبہ وار اور مجموعی عملی کارکردگی کی تفصیل دی گئی ہے۔ کتاب کے ضمیموں میں بعض دستاویزات شامل ہیں۔ ان میں ۷۵ تاسیسی ارکان کے نام اور کوائف نہایت اہم ہیں اور یہ مصنف کی تحقیق کا ایک قابل قدر ماحصل ہے۔ ہر باب کے آخر میں حوالوں کے ساتھ تفصیلی حواشی بھی دیے گئے ہیں' جن میں اہم اور دلچسپ معلومات ملتی ہیں۔

ڈاکٹر سید اسعد گیلانی ۱۹۴۵ء سے حین حیات' جماعت اسلامی سے وابستہ رہے۔ اس لیے 'جماعت کی زیر نظر چھ سالہ روداد مرتب کرنے میں انھیں خاص سہولت اور آسانی میسر تھی' مگر اس کے ساتھ ہی جماعت کے ساتھ دیرینہ اور جذباتی وابستگی کے سبب' ان کے لیے یہ ایک مشکل کام بھی تھا۔ اس مشکل سے عہدہ بر آ ہونے کے لیے' انھوں نے خاصی محنت و کاوش اور تحقیق و تفتیش سے کام لیا ہے۔ قدرتی طور پر ان کی تحریر میں تجزیہ و تنقید کی نسبت تاثر و روداد کا انداز زیادہ نمایاں ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے' مرحوم کی یہ کاوش مفید و معاون ثابت ہوگی۔

ناشر نے کتابت' کاغذ' طباعت اور جلد بندی میں خاصے اہتمام سے کام لیا ہے' مگر پروف خوانی اور تدوین میں کچھ کمی رہ گئی۔ متن میں حوالوں کے شمار نمبر دینے میں' تو بہت ستم ظریفی دکھائی گئی ہے۔ شمار نمبر بھی' متن کے اندر' اسی پوائنٹ میں واوین یا کسی طرح کی علامت تمیز کے بغیر دیے گئے ہیں' جس سے جملے مضحکہ خیز صورت میں سامنے آتے ہیں اور اس سے قاری کو بہت الجھن ہوتی ہے۔ ذرا سی توجہ سے' یہ خرابی دور ہو سکتی تھی۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

مدیر کے نام

عبد القدیر سلیم، کراچی

زیادہ کے بارے میں مناظر احسن گیلانی صاحب کا مضمون (اکتوبر ۹۵) پڑھ کر نفسِ مضمون خصوصاً نتائج پر تو کوئی اختلاف رائے نہیں کرے گا، لیکن بعض جزئیات اور زیادہ کا کردار بعض نئے مصادر اور تفصیلات و تحقیق کی روشنی میں محلِ نظر ہے۔ افسوس ہمارے بعض مستند علمائے تاریخ جیسے شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی تک بعض بنیادی مصادر سے محروم رہے، اور انھوں نے روایات کے پرکھنے میں درایت کے اصول کی موجودگی اور اعتراف کے باوجود اس سے فائدہ نہ اٹھایا، جس کی افسوس ناک مثال ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی عمر (شادی کے وقت) پر ان کا معذرت خواہانہ صاد ہے۔ شاید واقعہ افک بھی اس کی ایک مثال ہے۔

شہزاد چشتی، کراچی

بوسنیا کے حالات پڑھ کر (بوسنیا کا سبق، اکتوبر ۹۵) بار بار خیال آتا ہے کہ ملت اسلامیہ کے ممالک اتنے بے دست و پا اور بے وزن بھی نہیں تھے کہ اس المیہ کو نہ روک سکتے۔ کتابچات سے سبق ملا کہ انسانی ضمیر کو سن تا آسان نہیں۔ اگر خود مغربی ذرائع سے حالات معلوم نہ ہوں تو بوسنیا کے محاذ پر مسلمانوں کے ذرائع ابلاغ کے نمایندے غائبانہ ہونے کے برابر ہیں۔

طوبیٰ مستور، لاہور

گمراہی کا جادو اس لیے سرچڑھ کر بول رہا ہے (بیجنگ کانفرنس، اکتوبر ۹۵) کہ جن کے پاس ہدایت ہے، وہ اپنا فرض بھول گئے ہیں۔ ہمارے معاشروں میں خواتین جن مصائب کا شکار ہیں، ان کا تذکرہ تو بہت ہے لیکن دور کرنے کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھتا۔ فہرست بہت طویل ہے لیکن لاہور جیسے شہر میں طالبات و خواتین ویگنوں کی چھت پر مخلوط سفر میں جس مسلسل تذلیل کا شکار ہیں، کیا اس کا کوئی حل نہیں؟ یا حل کرنے والے نہیں؟

کلفٹن اور ڈیفنس میں جائیداد کی سرمایہ کاری

کے لیے

قابل اعتماد نام

آپ کا اپنا ادارہ

عبداللہ اسٹیٹس

سالانہ اجتماع کے شرکاء کو خوش آمدید

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز ... سے چھپوا کر ۵۔اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

REGD. NO. L 6340 PHONES : 7587916
7585590
MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE